Professor NIRMAL CHANDRA

ستیہ درشن

सत्यं ज्ञानं अनन्तं ब्रह्म॥

ستیہ درشن

(دیدارِ حق)

پروفیسر نرمل چندر

ملنے کا پتہ ہے:-

نسیم

محلہ بیری والا باغ

پبلکش - دلی 6

قیمت فی جلد اڑھائی روپیہ

اور آزادی بٹ نہیں سکتے۔

۷- نوع انسان ایک وجود واحد ہے۔ تمام اقوام اس کے اٹوٹ اعضا ہیں، اور سبھی افراد ایک دوسرے کے انگ ہونے سے ایک دوسرے کو تکمیل دے سکتے ہیں۔

۸- انسانی مذہب ایک ہے۔ سچائی ایک ہے۔ قانون فطرت ایک ہے۔ زندگی کا مصدر اور مقصد بھی ایک (مشترکہ بھلائی) ہے۔ کوئی بھی مذہب ساری سچائی یا نجات کا ٹھیکہ دار نہیں ہو سکتا۔

۹- تمام کتب انسانی پیداواریں ہیں۔ ان میں کوئی بھی آخری یا ناقابلِ خطا نہیں ہے۔

۱۰- زندگی حال میں ماضی کو جذب کر کے مستقبل کی طرف لگاتار بڑھنے اور اسی زمین پر سورگ کی تعمیر کے لئے ہے۔ اور خود انسان ہی اس کے لئے ذمہ دار ہے۔

یگ سندیش

۱۔ صرف ایک حقیقت موجود ہے۔ مادہ۔ طاقت۔ زندگی، ذہن اور رُوح سب اُسی کے مختلف پہلو ہیں۔

۲۔ حقیقت واقعیت میں جیتی ہے اور اِس لئے اِس کا عِلم جینے کی روشنی دیتا ہے۔

۳۔ صِرف اِنسان ہی اِس حقیقت کو جان کر جینے کی پوری خوشی اب اور یہاں حاصل کر سکتا ہے۔

۴۔ حقیقت دُنیا میں بٹ نہیں گئی۔ وُہ ہر نقطہ ہر لمحہ اور ہر جاندار میں پوُرے طور سے موجود ہے۔

۵۔ کائنات کی ہر شئے اور ہر واقعہ کا دُوسری ہر شئے اور ہر واقعہ سے تعلق ہے۔ کچھ بھی یا کوئی بھی دُوسرے سے الگ تھلگ وجود نہیں رکھتا۔

۶۔ دُنیا میں صحت بھلائی۔ خوشی۔ خوشحالی امن

دیباچہ

جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔ تمام جانداروں کے درمیان صرف انسان کے اندر ہی ستیہ کا خیال اور اسے پانے کی بے قرار طلب پائے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ ناپائیدار ظہورات میں تسلی نہ پاتا ہوا کسی نہ کسی طرح اس حقیقت پر پہنچنا چاہتا ہے۔ جو بے حد اور غیر فانی ہے اس کھوج کے بغیر انسانی زندگی بے معنی ہے اور حقیقت کا براہ راست تجربہ ہی کمال انسانیت ہے۔ اور جو کچھ بھی ہے۔ وہ اس مقصد کے حصول میں معاون یا سدراہ ہو سکتا ہے۔ اس مقصد سے غافل ہو کر صرف عارضی ظہورات کے تعلق سے جینا گویا سایوں سے کھیلنا ہی ہے سائنس زندگی کا مفید اوزار تو ہو سکتا ہے مگر مقصد کبھی نہیں۔ کیونکہ اس کی کھوج دمبدم بدلنے والے ظہورات سے پرے جا نہیں سکتی

فہرست مضامین

طرح کے مسایل و رسوم میں اُلجھ کر ایک گونہ اپنی صحت کھو بیٹھتا ہے۔ اور اِس کی پھر سے صحت یابی کا واحد نسخہ یہی ہے۔ کہ وہ اپنی ساری توجہ اور طاقت کو فقط ستیہ (ابدی حقیقت) کی طرف جاگنے میں لگا دے۔ اور مت پرچارک ہونے کی بجائے ست کا علمبردار ہو جائے۔ اور تعصب کی زہر اور جہالت کی تاریکی دُور کرتا ہُوا وہم اور شک کو جڑ سے ہی اُکھاڑ دے

ست کو پا کر ہی اِنسان خود زندگی سے ہی چھٹکارہ ڈھونڈنے کی بجائے اپنے جیون کی مُکتی کا آنند پراپت کرکے اِسی سنسار کو سوَرگ مے بنا سکتا ہے۔ اِنسانی زندگی ایک برترین نعمت اور ایک نادر موقع ہے۔ جس میں ستیہ کا ہوبہو درشن کرنے کا پرم آنند نصیب ہو سکتا ہے

زندگی کی اِسی نہایت پُرانی اور نت نئی سچائی کو روشن کرنے کے لئے ہی "ستیہ درشن" ظہور میں آیا ہے۔ ستیہ کی جے تو ہوتی ہی ہے۔ ہماری سب سے بڑی اور مُشترکہ ضرورت ستیہ کا درشن ہے جو اِس دُکھ بھرے سنسار کو آنند بھون میں بدل

اسے اپنی لگاتار ترقی اور پُر حیرت ایجادات کے باوجود اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ اصل حقیقت نامعلوم ہے اور رہے گی۔ یہ کار مخصوص مذہب (دھرم) کا ہے۔ کہ وہ اِنسان کو کشفِ حقیقت کا شرف دے کر اِس کی زندگی کو پُرمعنی بناتے اور یہی ایک تجربہ ہے۔ جو نوعِ اِنسان ایک وجُودِ واحد میں بدلتا ہُوا افراد اور اقوام کو ایک دُوسرے کے اُوٹ انگ بنا سکتا ہے۔

آج جبکہ سائنس مکان و زمان کے فاصلوں کو دِن بدن مٹاتا ہُوا ساری دُنیا کو بیرونی طور سے ایک بنانے میں لگا ہے۔ مذہب عام طور پر اپنا اصلی کام بھُول کر نئے سے نئے وہمی تفرقات و عنادات پیدا کرنے میں مصرُوف ہے۔ حالانکہ فقط مذہب (دھرم) ہی جو سب کو ایک لاغیر حقیقت کی طرف جگانے کا ذریعہ ہے۔ بین الاقوامی وحدت کے قیام سے اِسی دوزخ نما دُنیا کو بہشتِ بریں میں بدل سکتا ہے۔

مذہب کی اِس قابلِ افسوس ناکامیابی کا سبب یہ ہے۔ کہ وُہ اپنے خاص وظیفہ کو بھُول اور طرح

ستیہ درشن

(دیدارِ حق)

(۱)

ستیہ کا سُوروپ

I

روشنیوں کی روشنی

ستیہ ہے اور اپنی اور سب کی روشنی ہے-
سبھی پرمان ستیہ سے سِدّھ ہوتے ہیں- اِس لئے
یہ پرمانوں کا پرمان ہے- جِسے سِدّھ کرنا پڑے-
وہ کوئی بیوہارک ستیہ تو ہو سکتا ہے- مگر
پارمارتھک کبھی نہیں- ستیہ کو سِدّھ کرنے والے
لوگ کبھی ایک پرکار کے ناستک ہی ہیں- کیونکہ

دے گا۔ زندگی آنند سے نمودار ہو کر پرم آنند کی طرف بڑھنے کا رُخ رکھتی ہے۔ یہ کوئی سزا یا قید نہیں ہے۔

نرمل چندر

ستیہ ہی پرم شاستر اور سب کا ستگورو ہے۔ ستیہ ہی سنسار میں ایکتا ستھاپن کر کے اسے ہی پرم سورگ بنا سکتا ہے۔ ستیہ کی جھلک پاتے ہی کسی خاص مت یا پُرش کی بیروی رُوحانی خودکشی محسوس ہونے لگتی ہے۔ ستیہ وہ جیوتی ہے جس کے رنگوں کا کوئی انت نہیں ہے۔ اِس کے کسی ایک یا کئی رنگوں کو ستیہ ماننے سے متوں کی پیدائیش ہوتی ہے۔ ستیہ سبھی بندھن کاٹتا ہُوا جیون مُکت بنا دیتا ہے۔

یہ سنسار نرک مے ہو رہا ہے۔ کیونکہ ابھی تک ستیہ کا اُجالا نہیں ہُوا۔ ستیہ کی جیوتی میں سب کچھ ہی اپنا آپ پرتیت ہونے سے یہی سنسار سورگ مے ہو جاتا ہے۔ ستیہ کو جان کر اپنا ویک ہی نہیں۔ بلکہ اپنا آپ ہی سُورج ہو جاتا ہے۔ وہ پھر کسی اور کے گرد نہیں گھوما کرتا۔ سائنس بیوہار ستیہ کی ہی کھوج کر پاتا ہے۔ اِس کی درشٹی ستیہ کے چمتکاروں (ظہورات) پر ہی محدود ہوتی ہے۔ اِس لئے وہ پرم ستیہ کے بارے میں نہ اقرار کر سکتا ہے اور نہ انکار۔ پرم ستیہ کے اُجالے میں ہی

پرماتما سوئم ست ہے - کوئی ایک ستّا نہیں ہے۔ ستیہ وہ پرم جیوتی ہے - جو ودیا، اودیا، ہوش اور بے ہوشی، جاگنے اور سونے، ہونے اور نہ ہونے کو پرکاشتی ہے - یہ وہ ایشٹ پرکاش ہے - جو کسی بھی تجربہ کو ممکن بناتا ہوا سدا جگمگا رہا ہے یہ وہ پرم ستّا ہے - جس کا نہ ہونا کبھی خیال میں نہیں آسکتا - اسے جان کر بھلا کون ناستک ہو سکے گا - ؟ کوئی اور کبھی نہیں -

ستیہ جاننے اور پہچاننے کی وستو ہے - ماننے کی نہیں - ستیہ درشی منشیہ کبھی ناستک نہیں ہو سکتا - کیونکہ اقرار اور انکار دونوں ستیہ سے ہی سِدّھ ہوتے ہیں - ستیہ کا اُجالا ہی تو ہونے یا نہ ہونے کی خبر دیتا ہے - ستیہ سے انکار آپ ہی ناممکن ہے - جیسا کہ اپنے آپ سے بھاگنا - ستیہ کی سُوجھ بُوجھ ہوتے ہی سبھی مت اسی طرح بے کار ہو جاتے ہیں - جیسے کہ دن ہو جانے پر انیک دیپک - ستیہ کے اُجالے میں سبھی متوں کا میل ہو جاتا ہے کیونکہ کوئی مت بھی ستیہ سے بالکل خالی یا ساری سچائی کا ٹھیکہ دار نہیں ہوتا -

II

ایک - ادویت

"ستیہ ایک ہے۔ دو یا زیادہ نہیں - ایکم ست"
کی سچائی پراچین کال سے گونجتی چلی آتی ہے
ستیہ کے متعلق ہمارے انیک تصورات دنیا میں
مت متانتروں کی پھوٹ پیدا کرتے ہیں - فلسفہ
تو سدا ہی ایک حقیقت کی عقلی کھوج کرتا آیا
ہے - موجودہ سائنس بھی ظہوراتِ عالم کے پیچھے
واحد حقیقت کی کھوج میں مصروف ہے - اور ہر حال
میں اور انجام کار سبھی کو ایک ہستی کا اقرار کرنا
پڑتا ہے - مگر اپنے مزاج یا میلان کے
مطابق کوئی تو اسے مادہ کا نام دیتا ہے - اور
کوئی طاقت یا زندگی یا ذہن یا سپرٹ یا قانون کو
اصل حقیقت بتلاتا ہے - صرف انیکتا پریشان کرتی
ہے - اور انیک میں ایک کا مشاہدہ انیکتا کو ہی
خوبصورتی میں بدل ڈالتا ہے - اس لئے ایکتا کی

سائنٹیفک کھوج ممکن ہوتی ہے۔ مگر اہلِ سائنس اِس حقیقت سے بے خبر ہیں۔

اِنسانی تہذیب تب ہی سپھل ہو پائے گی۔ جب اِنسان سچ مچ طالبِ حقیقت ہو کر پرم ستیہ کا درشن کرتا ہُوا سارے جگت اور اِس کے جزو و کل اور اس کی ہر حالت میں پرم ستیہ کا درشن کرنے لگے گا۔ سائنس بُودھک گیان ہے۔ سہج گیان نہیں جس کے بغیر اور سبھی وِدیا اودیا ہی ہوتی ہے۔ آج سائنس کی ترقی نے ایک بھیانک رُوپ اختیار کر لیا ہے۔ کیول سہج گیان ہی اِس زمین پر نوعِ اِنسان کو تباہی سے بچا سکے گا۔

ستیہ آپ ہی انوبھو جیوتی ہے۔ جو دکھائی دینے والی روشنی اور اندھیرے میں سمان رُوپ میں موجود ہوتی ہے۔ اِسے روشنی اِس لئے کہا جاتا ہے۔ کہ یہ روشنی اور اندھیرے، ہوش اور بے ہوشی دونوں کا پتہ دیتی ہے۔ مگر اِسے دیکھا یا جانا نہیں جا سکتا کیونکہ اِسی سے تو سب کچھ دیکھا یا جانا جا سکتا ہے۔ ہاں سہج گیان دوارہ اِس کا اپردکش انوبھو (براہِ راست کشف) ہو سکتا ہے۔

ہستیوں (مثلاً پرکرتی اور پُرش یا پرکرتی - جیو اور ایشور) کے قائل ہیں - مگر تھوڑا غور کرنے پر یہ سوال پیدا ہو جائے گا - کہ اگر دو مختلف ہستیاں موجود ہیں - تو ان میں باہمی تعلق یا تعامل کیسے ممکن ہو گیا - ایک دوسرے کو محسوس کرنا یا باہم اثر ڈالنا بھی تعلق ظاہر کرتا ہے - یہ فرض کر لینا کہ باہمی تعلق ہے - اِس تعلق کی توجیہ نہیں کر سکتا -

تنک گمبھیر وچار سے دیکھئے کہ پُرش وہی ہے جو جانتا ہے اور پرکرتی وہ جسے جانا جاتا ہے - اِس لئے پُرش اور پرکرتی باہمی تعلق میں ہی اپنا وجود اور اپنے معنی رکھ سکتے ہیں - اِس تعلق کی توجیہ کے لئے اور تیسری ہستی ماننی پڑتی ہے - جو اِس رشتے کو وجود میں لاتی ہے - ایسا جاننے پر بھی پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ پہلی دو ہستیوں اور تیسری ہستی کا تعلق قائم کرنے والا کون ہوگا ؟ اسی طرح مزید غور کرنے سے لگاتار ایک چوتھی ؛ پانچویں ہستی فرض کرنی پڑے گی - اور کہیں یہ سلسلہ ختم نہ ہوگا اور سمسیا ویسی کی ویسی ہی الجھی رہیگی پس ایک اور لاخیر ہستی میں یقین ہی انسانی

کھوج انسانی فطرت کے لئے ایک قدرتی بات ہے۔ اور بعض لوگ تو ایک اور انیک کے بکھیڑے سے گھبرا کر خود ہستی سے ہی منکر ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ اِس بات کو بھول جاتے ہیں کہ خود نیستی بھی اپنے ثبوت کے لئے کسی نہ کسی ذی شعور ہستی کی محتاج ہوگی۔ اندھیرے اور بے ہوشی کا ثبوت بھی تو نظر اور ہوش سے ہی مل سکتا ہے۔ نیستی۔ اندھیرا اور بے ہوشی خود بخود ثابت نہیں ہو سکتے۔ نیستی کا تجربہ یا خیال ہی کسی نہ کسی جاننے والی ہستی کا تعلی ثبوت ہے۔ شونیہ واد سہج گیان کے اُجالے میں اِسی طرح ہی ٹھہر نہیں پاتا۔ جیسے کہ سُورج چڑھنے پر رات۔ اس لئے "کبھی کچھ نہ تھا یا کچھ بھی نہیں ہے" بے معنی الفاظ ہیں۔ جو بے سوچے سمجھے رٹے جاتے ہیں۔ بھلا "نیستی مطلق" کا مُدعی اپنی ہستی اور ہوش سے کسی طرح انکار کر پائے گا؟ ہرگز نہیں اور کبھی نہیں۔ خود ہستی ہی دلیل ہستی ہے۔ اِسی لئے صوفی لوگ نیستی کو آئینہ ہستی بتلایا کرتے ہیں

پس ایک ہستی کا اقرار ناگزیر ہے۔ مگر سنسار میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں۔ جو ایک سے زیادہ

سے زیادہ بنیادی ہستیوں کا خیال نظر کو بھینگاپن
دنیا کو ایک مکروہ بلا اور خود زندگی کو ایک قید
اور بیماری میں بدل دیتا ہے۔

فقط ایک بنیادی ہستی موجود ہے۔ مادہ، طاقت
زندگی، ذہن، روح اس کی ظاہری صورتوں کے نام ہیں
ستیہ (حقیقت) ایک ہے اور سارا جگت اس کا ظہور
(چمتکار) ہے اور نہ کچھ کبھی ہوا نہ ہے اور نہ ہوگا
اور یہی نظریہ زندگی کے شور کو آنند کے ابدی گیت
میں بدلنے کے قابل ہے۔

یہ بات گہری نگاہ سے سمجھنے کے لائق ہے کہ
وحدتِ وجود کے مسئلہ پر یہ زبردست اعتراض
کیا جا سکتا ہے کہ دنیا تو صریحاً بے انداز اختلاف
رکھتی ہے۔ بلکہ سکھ دکھ - نیکی بدی - خوبی خرابی -
اعلیٰ ادنیٰ - چھوٹی بڑی - علم جہالت - زندگی موت
کے تضادات سے بھی پُر ہے۔ ان حالات میں
وحدتِ وجود کو کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے؟
یہ اعتراض اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ ہم حقیقت
کو زندہ سمجھنے کی بجائے محض ہستی خیال کرنے
کے عادی ہو رہے ہیں۔ زندہ حقیقت ہمیشہ

دل و دماغ کو پوری تسلی۔ شانتی اور آنند دیتا ہوا
خوف۔ شک اور وہم کی بیماریوں کو جڑ سے دُور
کر سکتا ہے۔ "واحد مطلق۔ ایک ماتر" کے
نقطہ سے اُکھڑتے ہی ایک لاعلاج اُلجھن اور
پریشانی پیدا ہو جایا کرتی ہے۔

اور بعض دیپار شوینۂ لوگوں کا یہ دعوے کہ
مادہ میں رُوح اور رُوح میں روحِ برتو ویاپک ہے
بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ پانی میں چینی یا نمک کی
مانند دُوسری سے تب ہی سما سکتی ہے۔ جب اس
میں خلا موجود ہو۔ پانی کے اندر پانی اور ہستی کے
اندر ہستی کے سما جانے کا تصور بالکل ہی باطل اور
بےمعنی ہے۔ لوہے میں اگنی کے بیاپک ہونے
کی مثال پیش کرنے والے لوگ جانتے ہی نہیں۔ کہ
اگنی تو ذرات کی حرکت کا نام ہے۔ جو ذراتی خلا
میں ممکن ہوتی ہے۔

پس ستیہ کے کھوجی کو ایک سے زیادہ بذاتہ
خود موجود ہستیوں کا خیال شروع سے ہی ترک کر
کے آگے گامزن ہونا ہوگا۔ دنیا میں بے شمار
اختلافات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مگر ایک

III

ستیہ - ترکالا بادھ

ستیہ سدا ہے وہی کا وہی۔ نئے سے نئے اور لگاتار روپ بدلتا ہوا بھی۔ جس طرح ظاہری کثرت - اختلاف اور تضاد اس کی وحدت میں فرق نہیں لا سکتے - اسی طرح اس کے ظہورات میں لگاتار تبدیلی بھی اس کی عینیت کو چھو نہیں سکتی ستیہ سدا حال میں ہے - ماضی اور مستقبل میں اس کے ظہورات پائے جاتے ہیں - ستیہ اصل، شانت اور نردکار ہے - اس میں دکار، بہاؤ یا گذر کو دخل نہیں ہے۔

ستیہ وہ اکال سروت ہے - جس سے سنسار کی انادی اور اننت ندی کال کشیتر میں بہ رہی ہے - ستیہ میں سبھی کچھ امر ہے - اس سے الگ ہو کر سبھی کچھ نشور ہے۔

ستیہ ترکالا بادھ ہے - کسی بھی کال میں ستیہ کا نہ ہونا خیال میں نہیں آ سکتا - جس شے کا

اختلاف و تضاد میں ہی ظاہر ہوتی ہے اور زندہ وحدت وہی ہے۔ جو اختلاف و تضاد میں پائی جائے زندگی جس قدر اعلیٰ ہوگی۔ اُسی قدر اختلاف اور وحدت بھی زیادہ ہوں گے۔ زندہ جسم میں دیکھو ہر ایک عضو دُوسرے عضو سے بناوٹ۔ مزاج اور عمل میں مختلف ہونے پر زندگی میں دُوسرے اعضاء کے ساتھ ایک ہی ہوتا ہے۔ اور جس قدر اختلاف و تضاد زیادہ ہو۔ اُن کی وحدت بھی اُسی قدر گہری ہوتی ہے۔ پس دُنیا میں صُورت بناوٹ اور صِفت کے اِختلاف و تضاد سے اِس کی گہرائی اور زندہ وحدت ثابت ہوتی ہے۔

اختلاف و تضاد زندگی کی اقدار ہیں۔ صرف کثرت اور انیکتا کا ہونا زندگی ظاہر نہیں کرتا۔ ستیہ پران ہے۔ اور وِشو رُوپ ہے۔ انیک رُوپ۔ انیک گُن اور انیک کِریا ہوتے ہُوئے بھی ایک اور پرم سُندر ہے۔

VALUES ے

کے لئے ہے۔ بھوما (غیر محدود) کے لئے نہیں۔

سبھی ظہورات کا منتہا خیال میں آ سکتا ہے اندھیرا روشنی کے سامنے نہیں ٹھہر پاتا۔ گھٹیا روشنی بڑھیا روشنی کے روبرو گویا اندھیرا ہوتی ہے۔ سردی گرمی کے روبرو ہٹ جاتی ہے۔ اور معمولی گرمی غیر معمولی گرمی کے مقابلے سردی ہو جاتی ہے۔ خواب بیداری کی تمام مادی روشنیوں کو گویا نیست کر دیتا ہے اور گہری نیند سوپن جگت کو ہڑپ کر لیتی ہے۔ علم جہالت کو مٹاتا ہے۔ اور اعلےٰ درجہ کا علم معمولی علم کو جہالت کا روپ پردان کرتا ہے۔ غیر محدود کے سامنے ہر ایک محدود شے بحرِ ہستی میں ذرہ ہی دکھائی دیتی ہے دکھ کی شدت احساسِ لذت کو ختم کر ڈالتی ہے اور آنند کی افراط دکھ کو بھی سرور میں بدل دیتی ہے۔ ادویات اور منشیات سے ہوش کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اور مادہ پر فتح پانے والی ہوش منشیات کی تاثیرات کو مانتی ہی نہیں۔

اس طور سے جہاں تک باہمی طور پر مٹنا مٹانا ممکن ہے۔ وہاں بھی ستیہ کا ظہور تو ہے

کبھی نہ ہونا خیال کیا جا سکتا ہے۔ وہ ستیہ کا عارضی ظہور ہے۔ سو یہ ستیہ نہیں۔ ستیہ امرت ہے اور جگت بھی جو ستیہ کا سوبھاوک پرکاش ہے۔ امرت ہے ستیہ ہو اور جگت نہ ہو۔ یہ ایک متھیا کلپنا ہے۔

ستیہ بیج ہے تو جگت پرکاش ہے۔ روشنی ہے تو سب چیزیں اور واقعات اس کے رنگ ہیں۔ ستیہ ہے اور جگت ہو رہا ہے۔ ستیہ آنند ہے تو جگت اس کی پرتیہ ہے۔ مول تتو ہے۔ تو جگت اس کا چمتکار ہے۔ ستیہ اور جگت میں امتیاز تو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی جدائی محال ہے

ستیہ میں سندیہ نہیں ہو سکتا۔ سندیہ اسی شے میں ہو سکتا ہے۔ جس کا نہ ہونا کبھی خیال میں آ سکے۔ ستیہ کا نہ ہونا خیال میں آ نہیں سکتا۔ کیونکہ کچھ ہونے اور کچھ نہ ہونے میں ستیہ سدا جیون کا تتو (ہ) موجود رہتا ہے۔

ستیہ سبھی جڑ چیتن ستھاور جنگم کا آتما (اپنا آپ) ہے۔ اس لئے جو اپنے آپ کو جان لیتا ہے۔ وہ اپنے کو امر پاتا ہے۔ موت الپ

IV

اکھنڈ - انت

اگر ایک اَدویت - نتیہ ستیہ اکھنڈ نہ ہو - تو
وہ بہت سے اجزا کا مجموعہ (AGGREGATE) ہوگا
اور اُسے ایک کہنا بھی کوئی ارتھ نہ رکھے گا
جس طرح تبدیلی کال (زمانہ) میں ہوتی ہے
اسی طرح اشیا دیش (مکان) میں وجود رکھتی
ہیں - دیش اور کال دونوں ہی بذاتِ خود قایم
اور مقرر ہونے کی بجائے ذہنی علم کی بنیادی
صورتیں ہیں - جن کا تجزیہ اور تقسیم ممکن ہے - مگر
ستیہ دیش اور کال سے اُوپر ہستی رکھتا ہوا
کسی طرح اور کبھی کھنڈت نہیں ہو سکتا - اور
اگرچہ اب دیش اور کال کو ایک دُوسرے سے
جُدا سمجھنے کی بجائے کال کو دیش کی ہی چوتھی
دِشا مانا جا رہا ہے - تو بھی اُنہیں خیالی طور پر
بانٹا اور ناپا جا سکتا ہے - مگر ستیہ کبھی ناپنے
اور بانٹنے میں نہیں آ سکتا - ستیہ میں تبدیلی

مگر خود ستیہ نہیں ہے۔ ستیہ وہ نقطۂ حال ہے
جس میں بے ابتدا ماضی اور بے انتہا مستقبل جگہ
پاتے ہیں۔ ستیہ کے بے مقدار مرکزی نقطہ میں
کل دائرہ ظہورات سما رہا ہے۔ ستیہ زمانہ میں
ظہور پذیر ہوتا ہوا بھی اس سے اوپر براجتا ہوا
نرا کار و نرو کار ہے۔ ستیہ میں طلوع و غروب
پیدائش و فنا کو دخل نہیں ہے۔

ظہورات کا بنتے رہنا تو ایک عام تجربہ کی
بات ہے اور جن ظہورات کا مٹنا ہم خود نہیں دیکھ پاتے
مثلاً سورج۔ چاند۔ ستارے پربت اور ندیاں۔ ان
کا مٹنا خیال میں آسکتا ہے۔ مگر ستیہ وہ ہے۔ جس
کا پیدا ہونا یا مٹنا تصور میں نہیں آ سکتا۔ ستیہ
سے انکار بھی اس کا اقرار ہے۔ جیسا کہ شک۔
خود شک کرنے والے ہستی میں شک نہیں کر
سکتا۔ ستیہ کے متعلق اس کی جان پہچان ہی
کافی ہے۔ جو شک اور یقین دونوں سے پرے
بذات خود ثابت و منور ہے۔

ہُوا بھی سدا۔ایک اور وُہی کا وُہی رہتا ہے۔ستیہ کے اننت گُن اِس کے اندر ایسے پُراسرار طریق سے ایک میک ہو رہے ہیں کہ وُہ پرتیت ہی نہیں ہوتے۔اِسی لئے تو ستیہ کو نرگُن کہ دیا جاتا ہے۔مگر نرگُن ہی تو اننت گُنوں کا حقدار اور اصل ستّا ہی وشو بیاپی گتی کا سروت ہے۔"وُہ چلتا ہے۔ وُہ نہیں چلتا۔"وُہ وُور ہے اور نِکٹ بھی۔ وہی سب کا اندر ہے اور وہی سب کا باہر ہے۔ وُہی اپنے پرکاش میں سب کچھ ہے اور اپنے سوروپ میں کچھ بھی نہیں۔کیول ہے اور بس۔

ایک ادویت ستّا کا اننت ہونا ایک اٹل سچائی ہے۔ سسیم پدارتھ کبھی ایک ادویت نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ اِسے جو شے بھی سیمت کرے گی وُہی اِس کی حد ہوگی۔ اور اگر ہم بنا وچار دو اننت مان لیں تو وُہ دونوں ہی ایک دوسرے کو محدود کرنے والے ہوں گے۔ ورنہ اِنھیں دو کہنا ہی غلط ہوگا۔

کسی بھی ستّا کے اینہ (غیر) یا اِتر (ماسوا) کا خیال ہی اِس ستّا کی محدودیت ثابت کرتا ہے

یا جمع اور تقسیم کے وہم بے سمجھی کے اندھکار میں ہی اُٹھا کرتے ہیں۔

جس طرح سورج کی بے رنگ روشنی انیک رنگوں میں مُودار ہُوا کرتی ہے۔ مگر خود تو ان میں بٹ نہیں جاتی۔ روشنی تو روشنی ہی رہتی ہے۔ بیج جب پرکش کے رُوپ دھن۔ بڑھتا کھِلتا اور پھیلتا ہے تو اپنی ہی انیک شاخوں کو زمانی سلسلے اور مکانی پھیلاؤ کے اندر ظاہر کرتا ہُوا اپنی اندرونی زندگی میں کوئی تفرقہ نہیں رکھتا اور جب راگی اپنے آنند کے اُچھالے کو راگ کے رُوپ میں پرگٹ کرتا ہے۔ تب اس سے نکلتی ہُوئی انیک سُروں کی لگاتار ادلا بدلی کے باوجود اِس کا اندرونی آنند کھنڈت نہیں ہو جاتا۔

اِسی طرح سارے جگت میں ایک جیوت ستیہ ہی اپنے انت گُنوں کا پرکاش کر رہا ہے۔ رُوپ میں سبھی کچھ قابلِ امتیاز و تقسیم ہے۔ سوَروپ میں سب کچھ ایک اکھنڈ ستا ہی ہے۔ ایک کا ہندسہ بے اندازہ کسروں میں بٹ کر بھی ایک کا ایک ہی رہتا ہے۔ اِسی طرح ستیہ انیک رُوپ دھارن کرتا

اِنیہ یا اِتر کے رُوپ میں کبھی نہیں۔
پرم ستیہ اننت ہے تو دیش کال کی اپیکشا سے نہیں بلکہ اپنے ہونے (سوروپ) میں ہے اور سبھی کچھ جاننے کا آدی بھی ہے اور انت بھی۔ وُہ تجربہ کی الف بھی ہے اور "یے" بھی۔
ستیم گیانم اننتم برہم کُل موجُودات اور کُل تجربہ کی وہ اصل حقیقت اور روشنی ہے جس کا غیر یا ماسوا وجُود ہی نہیں رکھتا۔ کیول برہم ہی موجُود ہے۔ یا اس کا انادی اننت پرکاش۔ اِس گیان کی ایک جھلک پاتے ہی سرد تر اور سردا ستیہ (برہم) درشن ہونے لگتا ہے۔ اور روزمرہ کا جینا ہی پرم لوگ اور یہی جگت ہی پرم دھام بن جاتا ہے۔

جو لوگ دُنیا میں ایک سے زیادہ بُنیادی ہستیاں مانا کرتے ہیں۔ وہ بے خبری میں اِن ہستیوں کی محدُودیت کا اقرار کرتے ہیں۔ حقیقی غیر محدُود (بھوما۔ اننت) وُہی ہے۔ جس کا غیر یا جس کے سوا کچھ بھی خیال میں نہیں آ سکتا۔

جو لوگ بھگوان کو اننت مان کر اپنے کو اِس سے الگ ایک اتنیت کُشدر ستا مان کر بھگتی رس پیا کرتے ہیں۔ وُہ واستو میں بھگوان کے اننت سوُروپ سے انکار کرتے ہیں۔

ستیہ کیول دیش کال یا گُنوں کی حدُود سے پرے ہونے کے کارن اننت نہیں ہے۔ بلکہ اِس لئے کہ اس کا غیر یا اِس کے۔کچھ مُوجود نہیں ہے۔ جو کچھ بھی معلوم ہوتا ہے۔ وُہ اِسی کا رُوپ ہے۔

اپنے اور اتر کا بھرم دُور ہونے پر ہی یتھارتھ گیان، پرابھگتی اور سپھل جیون کی پراپتی ہو سکتی ہے۔ اگر اننت کا ارتھ دیش کال کی حدوں سے پرے ہونا ہی جانا جائے۔ تو وُہ ہمارے علم سے باہر ہی رہے گا۔ اننت کا یتھارتھ گیان آتما (اپنے آپ) کے طور پر ہی پراپت ہو سکتا ہے

مایا کو ایک دوسرے سے الگ خیال کرنے والے
لوگ اسی زمرہ کے ہیں۔ اس قسم کے غلط عقاید
انسان کو ایک ادویت۔ اکھنڈ۔ اننت، پرنپکش اور
پورن ستیہ سے دور رکھتے ہوئے دنیا میں مذہبی
اختلافات و عنادات کو جنم دیتے ہیں۔

پرنپکش اور پورن ستیہ دیکھنے والے کی نظر
گویا زمینی چراغوں سے اوپر اٹھ کر آسمانی سورج
یا سورجوں کو دیکھنے لگی ہے۔ اور وہ مذہب و
ملت۔ فرقہ و قوم۔ ملک اور نسل کے تمام امتیازات
کو کھو بیٹھنے سے تمام راؤں۔ عقیدوں اور نظریوں
میں ایک ہی نورِ مطلق کے انیک رنگ دیکھ کر
مسرور ہوتا ہے۔

اور جس طرح زمین سورج کی روشنی اور گرمی
کو کھو کر اپنے میں کوئی زندگی خوب صورتی
نہیں رکھ سکتی۔ اسی طرح ایک ادویت۔ پرنپکش
پورن اننت سے بے خبر رہ کر انسانی سوسائٹی
کبھی موافقت۔ صحت اور خوشی حاصل نہیں
کر پاتی۔

پورن ستیہ کی ایک جھلک پانے ہی سبھی

V

تریپکش - پوُرن

تمام ظہُورات اور تصوّرات جو محدُود اور تغیّر پذیر ہیں۔ ایک دُوسرے تعلق سے ہی ہستی اور معنی رکھتے ہیں۔ جیسے گرمی سردی۔ روشنی تاریکی، آزادی اور قید۔ سُکھ دُکھ۔ بڑائی چھوٹائی مالک اور غلام۔ چیتن جڑ۔ خالق و مخلوق، خدا اور بندہ، معبود اور عابد۔ اندر اور باہر، رُوح اور مادہ ظہور و اخفا نسبتی ہستی رکھتے ہیں اور نسبت کے بغیر ظاہر ہو ہی نہیں سکتے۔

اور یہ بات ظاہر ہے۔ کہ کسی بھی شے یا حالت کا نسبتی ہونا اُس کی محدُودیت ثابت کرتا ہے۔ خواہ وُہ نسبت حسّی ہو یا ذہنی۔ مثلاً جو لوگ خالق کو مخلوق سے ایک جُدا ہستی مانتے ہیں۔ وُہ بے خبری میں خالق کی محدُودیت کا اعلان کرتے ہیں۔ خدا اور شیطان، برہم اور

اگر بدی - بدصورتی - شور - بیماری - دُکھ - ناپاکی کے منفی ظہورات نہ ہوں - تب نیکی - خوبصورتی، راگ، صحت سکھ اور پاکیزگی کا احساس ہی کیونکر ہوگا ؟ کیا جیسے محدود، فانی، متغیر - ادنے کا کبھی تجربہ ہی نہیں ہوا - وہ غیر محدود - غیر فانی - لاتغیر اور اعلےٰ کا تصور رکھ سکے گا ؟ ہرگز نہیں - کل تجربہ اضافی ہے اور سبھی تصورات نسبتی ہیں -

لیکن ستیہ اپنے آپ میں نربکلپ ہے اور اپنے آپ سے ہی جانا جا سکتا ہے - کسی بھی حس یا ذہنی قوت سے نہیں - اور نہ ہی اسے کسی بھلی یا بُری صفت سے موصوف کیا جا سکتا ہے - وہ کیول ستا، جیوتی اور رس ہے اور سبھی اسما و صفات، قیاسات و تصورات سے بالاتر اور اضافات سے پاک ہے -

مگر جو لوگ دنیا میں جہالت - بُرائی - دکھ اور موت کی منفی حالتوں کو ستیہ کے سوا مایا یا شیطان سے منسوب کیا کرتے ہیں - وہ ان دو بڑی سچائیوں سے بے خبر رہتے ہیں کہ

(۱) کوئی بھی صفت اپنی متضاد صفت کی نسبت

جھگڑے طے اور تمام سوالات ختم ہو کر اختلافات
خوبصورتی اور تضادات وحدت میں بدل جاتے ہیں۔ ستیہ
دو زندۂ کل ہے۔ جس میں سب کے لئے جگہ ہے
اور جس سے کچھ بھی منفی کرنا ستیہ کو کھونے
کے مترادف ہے۔ ستیہ کی غیر محدودیت میں
ہستی اور نیستی۔ زندگی اور موت۔ سکون اور حرکت
ناظر و منظور۔ سکھ اور دکھ ایک ہو جاتے ہیں
آخر کار اور درحقیقت کل ایک ہے اور ایک کل
ہے۔ سبھی کچھ پُر معنی ستیہ بھلا اور سندر ہے
سورج کے رنگوں اور برکش کے انگوں کی مانند
ایک ستیہ سے انیک گن ظاہر ہو رہے ہیں۔
مورکھ کی درشٹی میں جو صفات ذات پر پردہ ہیں
گیانی کی نظر میں وہی ذات کی تجلیات (چمتکار)
ہیں۔ اور جس طرح بیج کے گن برکش کی چوٹی پر
پورا اظہار پاتے ہیں۔ اسی طرح ستیہ بھی جگت
میں چھپنے کی بجائے اپنی انتہائی چمک اور شان
دکھا رہا ہے۔ اختلاف اور تضاد اظہار کی ضروری
شرائط ہیں۔ جن کے بغیر کسی شے یا حالت کو
دوسری شے یا حالت سے تمیز نہیں کیا جا سکتا

سے ہی ظاہر ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہر صفت
اور حالت کا وجود نسبتی ہے۔ مطلق نہیں
(ب) اگر ستیہ کو اپنی بھلی صفات کے اظہار کے
لئے بُری صفات کسی اور چشمہ سے تلاش
کرنا پڑے تو ستیہ بذاتِ خود مکمل اور خود کفیل
نہ ہوگا۔ اور اس لئے اسے پورن کہنا بے معنی
ہوگا۔
نقاش اپنی رنگین تصویر میں سیاہی کا بھی
محتاج ہوتا ہے اور برکش کو اپنے پھولوں کی حفاظت
کے لئے کانٹے مطلوب ہوتا ہے۔ تصویر کی زینت میں
رنگ اور سیاہی اور درخت کی زندگی میں پھول
اور کانٹا پُر معنی وحدت حاصل کرتے ہیں۔
ستیہ کل صفات کا چشمہ ہے۔ اور بھلی اور
بُری صفات کا امتیاز صرف تختۂ ظہورات پر ہو رہا
ہے۔ ستیہ میں سب کچھ ہی ایک اور پُر معنی ہے
اس لئے ستیہ پورن یعنی اپنی جلوہ نمائی کے لئے
خود کفیل ہے۔ مایا یا شیطان کا محتاج نہیں۔ ایک
ادویت پورن ستیہ کو جان کر خدا اور شیطان، کفر و
ایمان کا جھگڑا ختم ہو کر نیکی اور بدی دونوں ہی

آپ کو بھی نہ جانتا ہو۔ تو اس کی ہستی بالکل بے معنی ہو گی۔ لیکن بے معنی ہونا بھی تو ایک جاننے والی ہستی کا اقرار کرتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ستیہ اپنے کو کسی اَور روشنی سے جانتا ہے۔ تب بھی وُہ اننت، نربیکش۔ پُورن۔ اَدوَیت ستیہ نہ ہوگا۔ اِس لئے ماننا پڑتا ہے۔ کہ ستیہ وُہی ہے جو سوَ پرکاش (اپنی روشنی آپ) اور اپنے ظہُورات کا بھی پرکاشک ہو۔

چُونکہ جاننا ہونے کے بغیر مُمکن ہی نہیں۔ اِس لئے جب ہم ستیہ کو چت کہتے ہیں۔ تو اِسی کے اندر ہی ستیہ بھاؤ آجاتا ہے۔

کوئی ظہُور (شے یا حالت) بھی سوَ پرکاش نہیں ہے۔ زمین پر ریڈیم اَور آسمان پر سُورج اور ستارے ہمیں سوَ پرکاش معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اِنہیں دیکھنے والی آنکھ کے نُورِ نظر کے بغیر ان کی رَوشنیاں کوئی بھی معنی یا ثبُوت نہیں رکھتیں اور آنکھ کی نظر بھی تو اِسی حالت میں ہی کام کر سکتی ہے۔ جبکہ کوئی جاننے والا ذہن بھی موجُود ہو۔ ذہنی ہوش کے سوا آنکھ

VI

چدانند (چت-آنند)

جاننے کے بغیر ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔
جسے ہم جانتے ہی نہیں۔ اس کا ہونا کبھی کیونکر
کہا جا سکتا ہے؟ ہونا اور جاننا صرف لازم و ملزوم
ہی نہیں بلکہ ایک ہی ذات کے اپنے دو پہلو
ہیں۔ ذات اپنے ہونے کو جانتی ہے۔ صرف بے
سمجھی میں ہم جاننے اور ہونے کو ایک دوسرے سے
جدا تصور کرتے ہوئے جاننے کے بغیر کسی وجود کا
ہونا اور وجود کے سوا کسی وجود کا جاننا فرض
کر لیتے ہیں۔ اسی بھول میں ہی ہم جڑ اور چیتن
کو دو جداگانہ اور بذاتِ خود ہستیاں خیال کرنے
کے عادی ہو رہے ہیں!

پرم ستیہ میں جاننا (چت) اور ہونا (ست)
ایک ہی بات ہیں۔ اگر ستیہ کسی غیر وجود سے
جانا جاتا ہو تو وہ محدود ہونے سے ستیہ
کہلانے کے لائق ہی نہ ہوگا۔ اور اگر وہ اپنے

اسی طرح آنند کی موجودگی میں ہی دُکھ کا تجربہ ممکن ہوتا ہے۔

آنند سے سب جاندار پیدا ہو کر، آنند کے سہارے جیتے اور آنند کی طرف ہی لوٹتے ہیں۔ آنند کی جھلک کے بغیر تو ہماری پیدائش نہ ہوتی۔ آنند پراپتی کی آشا کے بنا دُکھ کا سہن اسمبھو ہوتا۔ اور آنند کی بھوک کے سوا زندگی میں کوئی حرکت ہی نہ پائی جاتی۔ یہ آنند ہی ہے جس کی بدولت ہم چلتے پھرتے اور سانس لیتے اور جیتے ہیں۔ اگر ہم دنیا پرست ہیں۔ تو آنند کی خاطر۔ عاقبت میں بہشت مطلوب ہے تو آنند کی خاطر۔ نرک سے ڈر لگتا ہے۔ تو آنند کی وجہ سے اور اگر بھگوان سے ملنے کے لئے بیاکل ہوتے ہیں۔ تو بھی خود آنند ہونے کے لیئے۔ زندگی اور صحت کی مانند خوش رہنے کی خواہش قدرتی ہے ہونا۔ جاننا۔ آنند۔ تینوں ہی ایک حقیقت کے پہلو ہیں۔ ست اور چت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ اور ست اور چت (زندگی اور روشنی) کے ملاپ میں ہی آنند ہے۔ ورنہ دُکھ ہی دُکھ ہے اگر اب تک یہ دُنیا نرک بنی رہی ہے۔ تو صرف

کیا دیکھے گی؟ مگر ذہنی شعور بھی سُو پرکاش نہیں ہے ورنہ وہ گہری نیند اور غشی کی حالت میں بھی برقرار رہتا۔

چونکہ کوئی بھی ظہوری ستّے یا حالت سُو پرکاش نہیں ہے۔ لیکن ایک اودیت ستّا کے سمان ایک نورِ مطلق کا بھی اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کی موجودگی سے انکار بھی بامعنی ہونے کے لئے نورِ علم کا محتاج ہوگا۔ اور جس طرح ہستی اور علم سے انکار بھی ان کا اقرار کرتا ہے۔ اسی طرح گہرا وچار صاف صاف دکھلا دے گا۔ کہ دنیا میں آنند کی موجودگی بھی ناقابلِ انکار ہے۔ کل زندگی اور حرکت کی تہ میں آنند ہی تو موج زن ہے۔ دکھ کا دکھ (نا مرغوب) ہونا ہی ثابت کرتا ہے کہ زندگی کی اصلی فطرت آنند ہے۔ اور آنند میں رکاوٹ کا دوسرا نام دکھ ہے۔ دکھ کا احساس وہیں ممکن ہوتا ہے جہاں آنند کے احساس کا امکان ہو۔ پتھر کو دکھ کیسے ہوگا؟ تجربہ کی تہ میں آنند کی موجودیت ہی دکھ کے احساس کو ممکن بناتی ہے۔ یعنی اگر زندگی ہی غیر موجود ہو۔ تو موت کے کیا معنی ہوں گے؟

VII

انتر آتما (اپنا آپ)

یہ بات اچھی طرح جان لینے اور نسندیہہ نشچے کر لینے پر بھی کہ ستیہ ایک ادویت، اکھنڈ، اننت پُورن - نِربیکش ہے۔ حقیقت اور ہمارے شعور کے درمیان ایک لطیف سا پردہ تنا ہی رہتا ہے اگرچہ یہ سپشٹ گیان نِتانت ہی نوارک اور آنند دائیک ہے۔ البتہ اِس گیان مُولک نِشچے سے عقلی اور ذہنی تسلی ہو کر کوئی بھٹکنا نہیں رہ جاتی اصلی آتم جاگرتی، اِس وچار اور نِشچے سے بھی پرے ہے اور یہ گیان تو پروکش گیان ہی ہے۔

اپروکش (ساکشات) گیان تب ہوتا ہے۔ جب کہ یہ بعید العقل راز کھُل جاتا ہے کہ طالب آپ ہی مطلوب ہے اور مطلوب خود ہی طالب ہو رہا ہے۔ اور یہی عشق حقیقی (پرا بھکتی) کا سّرِ اعظم ہے اِسی میں سب کچھ مِل جاتا ہے۔ اور اِس سے پرے

اس لئے کہ اب تک زندگی اور دانش یکجا نہیں ہو پائے۔ آنند ہی ہمیں ست اور چت کے ملاپ کے لئے مجبور کرتا ہے۔

ستیہ صرف چت ہی نہیں۔ آنند سوروپ بھی ہے مگر گیان ہونے پر ہی یہ راز کھلتا ہے۔ کہ دکھ ہی ہمیں آنند کی طرف جاگنے کے لئے مجبور کرتا ہوا اور آنند کے احساس کے قابل بناتا ہے۔ جسے کبھی دکھ کا تجربہ ہی نہیں ہوا۔ وہ آنند کو آنند ہی کیسے انوبھو کر سکے گا۔؟

سنسار کیوں لگاتار بدل رہا ہے؟ اس لئے نہیں کہ یہ متھیا ہے بلکہ اس لئے کہ اپنی لگاتار تجدید سے آنند کا پرکاش کرنا چاہتا ہے۔ اور یہی اصلی رازِ ارتقا ہے نہ کہ باہمی جنگ وجدل۔ مگر ڈاروِن اپنی کھوج میں اس راز کو نہ پا سکا تھا۔

پورن ستیہ کو پا کر ہم نہ کیول امر ہو جاتے ہیں۔ بلکہ سبھی کلیشوں سے مکت ہو کر نہ صرف آنند مئے ہو جاتے ہیں بلکہ اپنے دمبدم جینے سے سنسار کو لگاتار جیون اور آنند سے بھرپور کیا کرتے ہیں۔ اور یہی حقیقی جیون مکتی (زندہ نجات) اور سپھل جیون ہے۔

(ج) درشٹیہ بذاتِ خود ثابت اور منوّر نہ ہوتا ہُوا کسی اور جاننے والی ہستی سے ثابت اور منوّر ہوتا ہے۔ خود بخود کبھی نہیں۔ نہ اپنے کو جانتا ہے اور نہ کسی اور کو۔

(د) اگرچہ دیش اور کال اننت معلوم ہوتے ہیں مگر آتم درشٹی سے محدود ہی ہیں۔ کیونکہ جس طرح نظر آنکھ میں ہی محدود ہونے کی بجائے تمام دکھائی دینے والی شکلوں اور رنگوں پر حاوی ہوتی ہے۔ اسی طرح جو کچھ بھی دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنے درشٹا کے اندر ہی بود و نمود رکھتا ہے۔ حواس اور ذہن کو یہ درشٹیہ جگت غیر محدود معلوم ہُوا بھی یہ درشٹا (آتما) کے روبرو محدود ہی ہے آتما جگت میں نہیں۔ جگت آتما کے اندر ہے۔

اکثر اوقات یہ جان لینے پر کہ بیش کال میں پھیلا ہُوا جڑ اور وکاری جگت ستیہ نہیں ہے۔ تب ہم جگت سے الگ کلپنا کرتے ہُوئے اسے لوہے میں اگنی کی مانند جگت کے اندر

کچھ بھی نہیں ہے۔

جو کبھی سوکشم یا ستھول درشیہ ہے۔ بھاستا ہے۔ کسی جاننے والی ستتا کو جو خود بخود انوبھو ہوتی ہے مگر جو درشیہ کی مانند پرتیت نہیں ہو سکتی۔ ہمارے حواس اور ذہن کا احساس اور علم درشیہ تک ہی محدود ہے۔

اور درشیہ اگرچہ ستیہ کا روپ ہی ہے۔ مگر خود سوتہ سدھ اور سویم پرکاش ستیہ نہیں ہے درشیہ کو ستیہ کہنا بھول ہے کیونکہ

(ا) ہر ایک درشیہ لگاتار بدلنے والا اور کشنک ہے۔ کشن کشن میں ہو ہو کر مٹتا چلا آ رہا ہے۔ ستیہ جو درشیہ کا پرکاشک ہے سویم درشیہ نہیں ہے۔

(ب) ہر ایک درشیہ کا کبھی نہ ہونا خیال میں آ سکتا ہے۔ اور گہری نیند۔ سمادھی اور غشی میں درشیہ کا نام و نشان نہیں ملتا۔ مگر اس بے خبری میں بھی کوئی ادرشیہ ستتا اس بے خبری کی شاہد ہوا کرتی ہے۔ ورنہ ہمیں ان حالتوں کا پتہ ہی نہ لگ سکتا۔

ستیہ کو جگت اور اپنے آپ سے الگ ہستی مانتے ہیں۔ اگرچہ وُہ زبان سے ستیہ کے ایک۔ اَدوَیت اننت اور پُورن ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

نہائیت ہی صاف اَور سیدھی اَور یقینی بات یہ ہے کہ آتما (ہمارا اَور سب کا اپنا آپ) بذاتِ خُود ثابت منوّر۔ سب پرمانوں کا پرمان۔ سب رَوشنیوں کی روشنی۔ اننت۔ نِر وکار ستا ہے۔ آتما جگت کو سِدّھ اَور پرکاشِت کرتا ہے۔ جگت آتما کو نہیں۔ آتما پراکاشٹا ہے۔ آتما سے پَرے یا اِس میں بیایک کچھ نہ ہے اَور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ آتما ہی تو ہے۔ اَور سب کچھ صرف محسوس یا معلوم ہوتا ہے۔

سرب درشیہ درشٹا (آتما) کا دِشئے ہے مگر آتما کسی کا بھی دِشئے نہیں۔ آتما ہی حواس اور ذہن کی راہ سے دیکھتا۔ سُنتا۔ سوچتا اَور جانتا ہے۔ مگر کسی سے بھی دِشئے کے رُوپ میں دیکھا۔ سُنا سوچا اَور جانا نہیں جا سکتا۔ آتما ہی حواس اور ذہن کے ذریعے جگت کو سِدّھ اور پر لوک اور ایشور کی کلپنا کرتا ہے۔ مگر خود محتاج ثبوت نہیں

ویاپک مان لیتے ہیں۔ اور جنہوں نے صرف اِسی زمین کو ہی جگت سمجھ رکھا ہے۔ وہ پرلوک یا آکاش میں ستیہ کا درشن پانے کی آشا رکھتے ہیں۔ مگر اِس قسم کے توہمات بے سمجھی کے نتائج ہیں۔ کیونکہ ستیہ تو وہی ہے۔ جس کا غیر موجود نہ ہو۔ ستیہ کو جگت سے الگ مانتے ہی یہ جگت ستیہ کی ایک حسّی یا خیالی حد ہو جائے گا۔ اس لئے ستیہ کو جگت سے الگ کلپنا کرنا ستیہ کے معنی سے ناواقفیت ثابت کرتا ہے۔

اور کئی لوگ تو ستیہ کو جگت میں ویاپک ہونے کی بجائے اپنے اندر ویاپک کلپنا کر لیتے ہیں۔ مگر ذرا سے وچار سے یہ بات سمجھ میں آ سکے گی کہ جس طرح ستیہ کو جگت سے الگ ایک ستّا مان لینا ستیہ کی تردید کرتا ہے۔ اِسی طرح اُسے اپنے آپ سے ایک الگ ستّا ماننا بھی ایک اودیت۔ نرپیکش اور پُورن ستیہ سے اِنکار ہی ہے گیان درشٹی سے وہ لوگ ناستک نہیں ہیں۔ جو ستیہ کو جگت یا اپنے آپ سے جُدا نہیں مانتے۔ اصلی اور پکے ناستک وہ لوگ ہیں۔ جو

کیونکہ اپنی روشنی آپ ہے۔ آتما سے انکار بھی اِس کا اقرار ہے۔ کیونکہ شک کرنے والی ہستی میں تو شک نہیں کیا جا سکتا۔

جب ہم ستیہ کو اپنے آپ سے جُدا خیال کرتے ہیں۔ تب اِس سے نہایت ہی یقینی ہستی چھین کر اسے اپنی خیالی ہستی دیتے ہیں۔ اور جب ہم ستیہ کو آتما اور جگت دونوں سے ہی ایک الگ ستا مانتے ہیں۔ تو وہ صرف ہمارے قیاسات اور جذبات کا ہی نمائندہ ہوتا ہے۔ اور پھر اس فرضی ہستی کا درشن کرنے کے لئے ہمیں گورو دھارن اور انیک سادھن کرنے پڑتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اصل حقیقت سے دور ہو کر اوہام اور تصاویر کی مصنوعی دنیا میں اُلجھ کر بیوہار اور پرمارتھ کو پرسپر وردھی ماننے لگتے ہیں۔ اور اس طرح نہ گھر کے رہتے ہیں اور نہ گھاٹ کے۔ فقط جذباتی عیاشی میں زندگی کے دن کاٹا کرتے ہیں۔

تینوں زمانوں میں ہی زندہ جو سب سے گہری۔ بڑی اور آخری سچائی جان سکتا ہے۔ وہ

ستیہ وُہ حقیقت ہے جو آر پار نہیں رکھتی جس سے ورے یا پرے۔ نیچے یا اُوپر کچھ نہیں۔ جو کُل تجربے کا مرکز اور محیط ہے۔ کُل تجربہ اِسی کے اندر ہے۔ یہ مکان و زمان میں نہیں بلکہ مکان و زمان اِس کے اندر نمودار ہو رہے ہیں۔ سبھی سوالات، و جوابات، وسائل اور مقاصد، اسباب و نتائج حقیقت کے اندر وجود رکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسا دائرہ ہے۔ جو خود ہی مرکز اور خود ہی محیط ہے یہ نقطۂ خیال ہے۔ جس کے اندر ظہُورات کی ندی ماضی سے مستقبل کی طرف بہ رہی ہے۔ یہ عین زندگی اور جانِ جہاں ہے۔ پیدائش اور موت دونوں اِس کے اپنے ہی رُوپ ہیں۔ حقیقت کو جان پہچان کر اِنسان سچے معنوں میں اِنسان ہوتا ہے۔ ورنہ ایک درجے کا حیوان ہی رہتا ہے۔ زندگی میں سب سے اہم کام خودشناسی ہے اور یہی خدا شناسی ہے۔ باقی سب وہم و قیاس ہے۔

نہیں ۔ خود معبود بھی ہیں۔

فرضی خالق و ناظم کے تصورات انیک مت پیدا کرتے چلے آتے ہیں ۔ مگر براہِ راست کشفِ حقیقت کی پہلی جھلک ہی تمام فرضی عقاید کو شبنم کی بوندوں کی مانند نابود کر دے گی ۔ تب نوعِ انسان ہی ساری زمین پر واحد اور عظیم انسانی وجود ہو جائے گی ۔ سب کے اندر اور باہر ایک ہی لاغیر۔ غیر محدود ۔ مطلق ہستی جلوہ نما ہے تمام اشیاء جاندار اور اشخاص ایک ستیہ کے لئے مختلف درجوں کے اوتار ہیں ۔ ستیہ خود ایک اَدویت بھی ہے اور انیک اور نتیہ نیا بھی ہے نیز اندر اور باہر کا تصور بھی ہماری جسمانی اور ذہنی محدودیت سے اٹھا کرتا ہے ۔ حقیقت نہ اپنا اندر رکھتی ہے اور نہ باہر۔ یہ تو صرف ہے خود کچھ نہیں ۔مگر اسی سے سب کچھ ہے ۔ بے صورتی سے سب صورتیں اور نرگن سے سبھی گن نمودار ہو رہے ہیں ۔ جو اندر ہے وہی باہر ہے ۔ جو یہاں ہے وہی وہاں ہے۔ جو تھا وہی ہے اور رہے گا ۔

خود اگیان اندھکار میں بستے ہیں۔ ستیہ گیان کی پہلی کرن راستوں، مقاموں، منزلوں اور دھاموں کا وہم اُڑا دیتی ہے۔

پانی بلبلے سے۔ خیال ذہن سے۔ زندگی اپنے عضو سے۔ حرکت طاقت سے، روشنی اپنے کسی انگ سے اور خواب بین اپنے خواب سے کبھی کوئی فاصلہ نہیں رکھتا۔ جوہر اور عرض کے درمیان فاصلہ کہاں؟

اِسی طرح ستیہ بھی کسی بھی شئے یا حالت یا وجود سے فاصلہ نہیں رکھتا۔ اِس لئے ستیہ کو اپنی بُود سے باہر، کسی شئے، کسی مقام یا کسی زمانہ میں ڈھونڈنا سراسر گمراہی ہے۔ اور جو لوگ ایسی تعلیم دیتے ہیں۔ وُہ یا تو خود ہی گمراہ ہوتے ہیں یا گمراہ کُن۔ ستیہ سبھی کا انتر آتما ہونے سے سب کو ہر جا اور ہر وقت حاصل ہے صرف اِس کی طرف جاگنے کی ضرورت ہے۔ جانے کی نہیں۔ جس طرح رنگ روشنی کے بغیر اور خیال ذہن سے الگ کوئی ہستی نہیں رکھ سکتے۔ اِسی طرح ستیہ کے سوا کسی ہستی یا شئے یا حالت کا

(۴)

ستیہ کی ہوبہو پہچان

ستیہ کی کھوج ایک انسانی خصوصیت ہے
مگر ستیہ کو اِدھر اُدھر، یہاں یا وہاں، اب
یا کبھی ڈھونڈنا گمراہی ہے۔ کیونکہ ستیہ کھوج
کے آغاز میں ہی پایا جاتا ہے۔ اس کے انت میں
نہیں۔ کیونکہ کھوج زمانہ میں ہوتی ہے۔ اور ستیہ
لازمان ہے۔ ستیہ نہ کسی سے نزدیک ہے
اور نہ دور۔ کیونکہ جانا جائے تو وہ نزدیک سے
بھی نزدیک ہے اور نہ پہچانا جائے تو دور سے
بھی اتی دور ہے۔ ستیہ سبھی کا حقیقی اپنا آپ
ہے۔ اس لئے اس کی طرف کوئی مارگ نہیں بلکہ
کرم۔ بھکتی۔ گیان تو ستیہ کی طرف لے جانے کے
سادھن ہونے کی بجائے اس کے اپنے اظہارات ہیں
ستیہ ان سب سے پہلے موجود اور سب سے
بڑھ کر روشن ہے۔ بھٹکانے کی بجائے ستیہ
کی طرف لے جانے والے مذاہب اور گورو

ہے۔ ظہورات سے ستیہ کی طرف جانے کی ضرورت ہی کہاں ہے؟

دِل اگر دانا بود اندر کِنارش یار ست
چشم گر بینا بود در ہر طرف دیدار ست (گویا)

"اگر دِل جاگ اُٹھا ہو تو ہر طرف دیدار ہے آنکھ دیکھتی ہو۔ تو ہر طرف دیدارِ حق ہی تو ہے"

اپنے آپ یا جگت سے الگ آکاش یا پرلوک میں ستیہ درشن کی آشا دلانے اور رکھنے والے دونوں ہی گمراہ ہیں۔ اندھوں کے پیچھے جا رہے ہیں۔ ست سنگ کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر بر عکس نہند نام زنگی کا نور۔

ستیہ تو نہ ماضی میں ہے نہ مستقبل میں، نہ نیچے ہے اور نہ کہیں اُوپر۔ بلکہ سدا اب اور یہاں۔ اپنے آپ میں موجُود اور جلوہ کُناں ہے ستیہ تو سدا سب کے اندر جلوہ نما ہے ہی۔ مگر جو کچھ باہر معلوم ہوتا ہے۔ وہ بھی ست کا ہی نت نیا چمتکار ہے۔ یہاں "اندر" سے مراد مکانی اندر نہیں بلکہ روحانی اندر ہے۔ جو اپنی کوئی سمت نہیں رکھتا۔ ستیہ خود لا مکان ہے۔ کل

امکان ہی نہیں ہے۔ ستیہ سے کوئی فرد خالی یا محروم یا جدا نہیں ہے ہر ایک وجود ستیہ کی اننت وبھوتیوں سے بھرپور ہے۔ اور ستیہ ہی ہر صفت سے موصوف۔ ہر عرض کا جوہر اور ہر ظہور کی حقیقت ہے۔ ستیہ ہی ہر شے اور ہر حالت میں زبانِ حال سے "میں ہوں۔" "میں ہوں" کا اعلان کر رہا ہے۔

بیرونی۔ قیاسی اور ذہنی ایشور کے ثبوت کے لئے ہمیں منقول اور معقول دلائل درکار ہوتے ہیں مگر ستیہ اور سوریہ دونوں اپنی دلیل آپ ہی ہیں ستیہ کے لئے پرمان چاہنا ناستکتا ہے۔ کیونکہ ستیہ ہی تو سبھی پرمانوں کا پرمان اور روشنیوں کی روشنی ہونے سے "سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر" پرکٹ ہے۔ حقیقی خدا ڈھونڈا نہیں جاتا۔ خود ہی سورج کی کرنوں کی مانند چشمِ بینا کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ ہم طلبِ حق کے مدعی ہوکر غفلت میں اس سے لگاتار بھاگ رہے ہیں! جس شے یا حالت کو جاننے یا پانے کے لئے کوئی ثبوت درکار ہو۔ وہ کوئی ایک ظہور ہی ہے۔ خود حقیقت نہیں۔ تمام ظہورات میں ستیہ ہی تو ظاہر ہو رہا

گنجائش ہی نہیں ہے۔ کہ ہمارا یا جگت کا ہونا ستیہ کا ثبوت ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ خود ستیہ ہی ہمارے اور جگت کے ہونے کا ثبوت اور اپنا ثبوت آپ ہی ہے۔

جو شخص بھی ستیہ کے ایک۔ ادویت۔ اکھنڈ انت اور پورن ہونے کی جھلک پا لیتا ہے۔ اس لئے سارا جگت ہی ستیہ درشن ہو جانے سے وہ "سروم کھلودم برہم" بلکہ اہم برہم اسمی ' کا اعلان کیئے بغیر رہ نہیں سکتا۔

اور اگر کوئی سچا گورو ہو سکتا ہے۔ تو اس کا اپدیش بھی "تت توم اسی" وہ تو ہے" ہوگا۔ جگانے کی خاطر۔ اپنا مقلد بنانے کے لئے کبھی نہیں۔

جسے ستیہ کی سوجھ بوجھ پراپت ہوتی ہے۔ وہ خود ہی برہم مندر ہے اور اس کی درشٹی میں وشو جگت بھی مہان برہم مندر ہے۔ جینا ہی برہم اپاسنا۔ دیکھنا ہی برہم درشن۔ چکھنا ہی ستیہ آسوادن۔ چھونا ہی ستیہ سپرشن۔ سوچنا ہی برہم چنتن ہے۔ پریم ہی بھگتی۔ کچھ کرنا ہی کرم یوگ ہے۔ وہ سوتا ہے تو

ا چنتن

مکان اِس کے اندر نمودار ہو رہا ہے۔ اور ستیہ کے ابدی حال کے بے مقدار نقطہ کے اندر ہی کُل زمانی ڈرامہ ہو رہا ہے۔ ساری نمود بُود کے سہارے اور اِس کے اندر ہی ہے۔ سبھی رُوپ ایک اروپ ستیہ سے پرکٹ اور چت۔ جیوتی سے پرکاشت اور آنند سے نِت نئے ہو رہے ہیں۔

پرم ستیہ کو پرمانوں سے ثابت کرنے والے لوگ ناستک ہیں۔ کیونکہ وہ بے خبری میں ستیہ کے سوئتہ سِدھ اور سوئم جیوتی سے مُنکر ہو رہے ہیں۔ اور اسے اپنی منوبرتی کا وِشے بنا کر اسے محدود قرار دیتے ہیں۔ جونہی کوئی مذہب خُدا کی ہستی ثابت کرنے لگتا ہے۔ وہ بے خبری میں ناستکتا کا پرچارک بن جاتا ہے۔ حق (ستیہ) کوئی ایک ہستی تو ہے نہیں جسے ثابت کرنے کی ضرورت ہو۔ وہ تو خود ہی ہستی، نُور اور سرور ہے۔ پرمانوں دوارا سِدھ کیا ہُوا ایشور۔ ایک کالپنک (فرضی) سِدھانت بن کر زندگی پر اپنا اثر کھو بیٹھتا ہے۔ ایسا ایشور تو ہمارے سہارے اور ہماری اپنی رچنا ہوتا ہے ستیہ تو اِتنا پرکٹ ہے کہ یہ سمجھنے کی

میں سے کچھ بھی منفی کرنے پر کل اپنی کلیت ہی کھو بیٹھے گا۔ ستیہ گیان زندگی میں وہ ہم آہنگی لاتا ہے۔ جو ساری موجودات کو ہی ایک امرت مے سنگیت میں بدل دیتی ہے۔ اور انسان ایسی زندہ موثر کو پیدا کرنے کے لئے وجود میں آیا ہے۔

ہم آہنگی کا اصلی راز حالات کی بجائے معنی اور واقعات کی بجائے ان کے صحیح رُخ میں ہے

ستیہ میں۔ جاگتا ہے تو ستیہ کی اور۔ ملتا اور بیوہار کرتا ہے تو ستیہ سے۔ وہ اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں۔ نیچے اوپر۔ اندر باہر ستیہ کے سوا کچھ نہ پاتا ہوا وچرتا اور دوند میں بھی ستیہ کا انوبھو کرتا ہے۔ اسے سُکھ دُکھ۔ نیکی بدی۔ خوبصورتی اور بدصورتی و زندگی اور موت۔ سُکھ اور دُکھ۔ چیتن اور جڑ، سب کے سب ایک اودیت ستیہ کے چمتکار پرتیت ہوتے ہیں اور اس کی گلانی مِٹ جاتی ہے۔ اِس کا مینا وشو جیون کے ساتھ ایک سُوَر ہو کر آنندمے ہو جاتا ہے اور وہ دیکھ لیتا ہے کہ اگر سنسار میں دُکھ ہے۔ تو وہ کبھی آنند کو جتلانے اور اِس کی طرف لے جانے کے لئے، بدی ہے تو چمن حیات کی کھاد ہونے کی خاطر، جہالت ہے تو علم کی بُھوک بیدار رکھنے بدصورتی ہے تو خوبصورتی چمکانے، موت ہے تو زندگی کی تجدید کے لئے ہے۔ بے معنی کچھ نہیں اختلاف زینت کی پونجی ہے اور تضاد ہے تو ارتقا کا ایک وسیلہ ہو جانے کے واسطے ہے۔ سب ستیہ ہے، بھلا ہے۔ سُندر ہے۔ اس زندہ کل

رہا ہے۔ نیز لذات جُوں جُوں پائی جاتی ہیں۔ اِن سے تسلی گھٹتی ہی جاتی ہے۔ اور اس لئے ہمیں لذات کی مقدار میں لگاتار اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ غرض آگ پر تیل کی مانند بھڑکاؤ بڑھتا ہُوا پیری اور موت کی طرف رفتارِ زندگی کو اَور ہی اور تیز کئے جاتا ہے۔ آخرش ترکش کے سبھی تیر ختم ہو جانے پر زندگی بالکل کھوکھلی ہو جاتی ہے۔ اِس کے علاوہ لذات کی ہوس دُوسروں کے ساتھ مقابلہ پیدا کرتی ہُوئی زندگی کو مسلسل رگڑ میں بدل دیتی ہے۔ مُحبت کا رس سُوکھ جاتا ہے۔ لذات کی غیر معقول بُھوک زندگی کی بڑھوتری کی بجائے اِسے جلدی سے جلدی ختم کرنے کا ذریعہ ہو جاتی ہے۔ نیز لذات کے سامانوں کا حصول اور ان کی حفاظت کی سردردی اور اِن کے کھوئے جانے کا ڈر ہردم پریشان رکھتا ہے۔ سوشل تعلقات خوشی کے وسائل ہونے کی جگہ نفرت اور کھچاوٹ کے مُوجب ہوتے ہیں۔ جنم کا دُکھ بھوگنے پر چار دن جوانی کی بہار دیکھی تھی۔ جس کے گذرتے ہی بڑھاپا کی خزاں آن موجود ہوتی ہے اور اٹل موت سامنے

(۳)

مُکتی یا سپھلتا؟

دُنیا میں عام خیال یہ چلا آیا ہے کہ ہمارے جینے کا مقصد مُکتی ہے اور مُکتی کے معنی ہیں خلاصی چھٹکارہ اور نجات۔ اور ویدانت کی اصطلاح میں مُکتی کا ارتھ ہے سرب کلیشوں کی نِورتی اور پرم آنند کی پراپتی۔

عام خیال کے مطابق زندگی ایک طرح کی مُصیبت یا سزا ہے۔ جس سے چھُٹکارہ مطلوب ہے۔ واقعی تجربہ شاہد ہے کہ زندگی میں عارضی لذات کی جھلکیں تو پائی جاتی ہیں۔ جو شاید زندگی میں پھنسائے رکھنے کے لئے گویا ترغیبات اور رشوتیں ہیں۔ مگر اِن لذات کا ردِّعمل دُکھ بیماری۔ کمزوری۔ ماندگی اور اُکتاہٹ ہے کیونکہ یہ قوتِ حیات کے خرچ پر حاصل کی جاتی ہیں یہ ایک طرح کے خود افردختگی کے رونگیلے رس ہیں جن میں گویا ہم اپنی پونجی کو ہی کھائے چلے جاتے ہیں اِس دھوکہ میں مُبتلا ہوکر کہ سُکھ باہر سے حاصل ہو

تب تو یا تو کسی بالائی لوک یا دھام میں داخلہ پاؤ۔ یا جس چشمے سے تم نمودار ہوئے ہو۔ اسی میں ڈوب کر اپنا نام و نشان باقی نہ رہنے دو۔ تب درد زیست ختم ہونے پر نہ تم ہو گے۔ اور نہ کوئی مسئلہ یا سوال رہے گا۔ اس عقیدہ کے مطابق ہونا اور جینا ہی قید اور سزا ہے اور نہ ہونا ہی نجات و مکتی ہے۔

اہل ویدانت کا یہ خیال کہ مکتی "سب کلیشوں نبرتی اور پرم آنند کی پراپتی" کا نام ہے۔ معقول تر معلوم ہوتا ہے کہ دکھ اور کلیش کا اسے بھول کر خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر اپنا آپ امر ستا ہے۔ جیو ترفے پرزدکار اور آنند سوروپ ہے۔ اسے انوبھو کرنے پر وہ آنند پایا جا سکتا ہے۔ جس سے پرے کوئی آنند نہیں ہے۔ اس قسم کی مکتی کو پانے کے لئے اپنے وجود اور دنیا اور ان کے باہمی تعلق سے انکار کرنا ہوتا ہے۔ یہ تعلق ہی تو باندھنے والی "چت جڑ" گرنتھی ہے۔ اس کے مٹ جانے اور بھولنے پر آتم آنند ملنے لگتا ہے اور سبھی پرکار کی ترشنا اور تاپ شانت ہو

سے گھورنے اور اژدہا کی مانند پھنکارنے لگتی ہے اور ساری زندگی ایک تلخ تجربہ محسوس ہوتی ہے اور گذر جانے پر زندگی کی طوالت بھی تبسم خراز معلوم ہوتی ہے۔

اور اس پر جب یہ تبلایا جاتا ہے۔ کہ انسانی زندگی بھی ایک یونی، ایک اعلےٰ کلاس کی قید ہی ہے۔ اگر اس میں نجات کا دروازہ نہیں کھول پایا۔ تو پھر چوراسی لاکھ یونیوں کی بھیانک قیود اور سزاؤں میں سے گذرنا ہوگا۔ اور پھر تبھی چھٹکارہ کا موقع ملنے پر بھی اسے کھوئے جانے کا احتمال ہے۔ تب ہم خود زندگی سے بھاگنے کے سوا کوئی راستہ نہیں پاتے۔ اس لیئے بار بار تاکید کی جاتی ہے کہ جب کہ مانو جنم ملا ہے۔ اس میں جینے کی بجائے اپنی ساری توجہ اور طاقت کو خود زندگی سے ہی خلاصی پانے کی کوشش میں لگا دو۔ اور سارے مقاصد عارضی اور جھوٹے ہیں بس زندگی کے لیئے تمام خواہش اور دلچسپی کو جڑ سے ہی ختم کر کے بھنے ہوئے بیج کی مانند ہو رہو۔ تاکہ مرنے کے بعد پھر سنسار میں جنم نہ ہو

اور امٹ خواہش کیسے پیدا ہو گئی ؟

جب ہم آنکھیں کھول کر صاف صاف دیکھ پاتے ہیں۔ کہ یہ ساری کائنات مجسم زندگی خوبصورتی، حکمت اور ناچتی ہوئی خوشی ہے۔ اور انسانی وجود اپنے جزو و کل میں نہائیت ہی پُر حکمت اور شاندار تجلی ہے۔ تب کیا دِل اُچھل کر یہ گواہی نہیں دیتا۔ کہ زندگی سزا نہیں۔ لعنت نہیں۔ جلا وطنی نہیں بلکہ ایک بے بہا برکت اور نادر ترین موقع ہے ؟ ہمارے وجود اور ہمارے ماحول میں کچھ بھی نضول اور بے معنی نہیں۔ ہم نے یہاں بھاگنے اور ڈوبنے کے لئے جنم نہیں لیا۔ ہمیں تو زندگی کا ابدی گیت گانے اور اِس دُنیا اور اپنے وجود کو سمجھ کر ہمیں نِت نئے سے نیا سورگ تعمیر کرنے کا موقع مِلا ہے۔ اور اِسی تعمیر میں وہ سرورِ آزادی ہے۔ جس کے روبرو شخصی پرمانند بھی ایک طرح کی خود غرضانہ لذت معلوم ہوتا ہے۔

اگر ساز موسیقی کا بجانا نہ سیکھا ہو۔ تو اِس سے شور کے سِوا کیا حاصل ہوگا ؟ اِسی طرح

جاتے ہیں۔ یہ ایک فلسفیانہ مسلک ہے۔ جو سچائی سے بالکل ہی کورا نہیں ہے۔

مگر یہ دونوں مارگ ہی فراری ہیں۔ زندگی سے بھاگنے یا زندگی کو بھلانے کے ہیں۔ زندگی سمجھنے اور اسے وکاس دینے اور اپنے وجود کی ساری طاقتوں کو جگا کر ان کے صحیح استعمال سے مثبت اور زندہ خوشی حاصل کرنے کے نہیں ہیں۔

کیا زندگی ایک لعنت ہی ہے۔ جو مٹانے اور بھلانے کے لائق ہے؟ کیا ہمارا سا وجود اور اس کی بے شمار اور بے حد ترقی پذیر طاقتیں بالکل فضول اور بے معنی ہیں؟ کیا یہ ظہور ایک بے معنی سایوں کا کھیل یا خواب پریشان ہی ہے؟ کیا شگفتگی۔ ترقی۔ ذمہ داری۔ محبت اور تعاون کی زندگی میں تخلیقی خوشی نہیں پائی جاتی۔؟ کیا ہمیں خوشی کی تمنا کا ہونا اس امر کی ضمانت نہیں کرتا۔ کہ کوئی راز ہے — جو زندگی کو لگاتار تخلیقی آنند کے راگ میں بدل سکتا ہے؟ کیا یہ سب کچھ دھوکہ ہی ہے؟ اگر یہ بات ہے۔ تو زندگی میں خوشی کے لئے عالگیر

کا اُکھٹ بھنڈار ہے۔ جن کے لئے ہر دِل میں قدرتاً طلب پائی جاتی ہے۔

یہاں ہم زندگی کی قید سے نجات پانے کی بجائے سُرورِ حیات کا نت نیا گیت گانے کے لئے نمودار ہوئے ہیں۔ یہ جیون سے مُکتی نہیں بلکہ خود جیون کی مُکتی ہے اور سپھلتا (تکمیل) ہے۔

رواجی مذہب کو ایک نیند لانے والی دوا کہنا ذرا مبالغہ نہیں ہے۔ کیونکہ مذہب ہمیں واقعیت کی طرف سے سونا، اپنی اِنسانیت کی قدر و منزلت اور زندگی کی سپھلتا کو بھول جانا ہی سکھاتا ہوا زندگی میں دِلچسپی ختم کرنے کا اثر رکھتا ہے۔

جینے کا ہنر نہ سیکھا ہو - تو زندگی میں دُکھ کے سوا کیا ہوگا؟ لیکن اگر سینہ میں نور ہو - تو یہ دُکھ بھی ایک پُر معنی تجربہ ہے - جو ہمیں جیون آنند کی طرف جگانا چاہتا ہے۔

زندگی کا سُرور اسے بھلانے اور اپنے وجود کو ختم کرنے میں نہیں - بلکہ شخصیت کی ہر طرفہ نشو و نما اور اندرونی موافقت اور اپنے قدرتی اور سوشل ماحول کے ساتھ مُوافقت اور تعاون میں ہے۔ اور یہ نجات یا مُکتی نہیں بلکہ جیون کی سپھلتا ہے۔ کہ ہم جو کچھ ہونے اور کرنے کے قابل ہیں۔ وہی کچھ ہوتے اور کرتے ہوئے اسی دُکھ بھرے سنسار کو نِت نئے اور بڑھیا سے بڑھیا سوَرگ میں بدلتے چلے جائیں۔

ستیہ گیان ہمیں جگاتا ہے۔ سُلاتا نہیں زندگی دیتا ہے۔ ختم نہیں کرتا - تب ہمارا ہونا اور سانس لینا ہی نِت نیا سرور ہو کر اِنسانیت کا پھول کِھل جاتا ہے۔

زندگی صرف جنم - جرا اور مرن کا سِلسلہ یا کلیشوں کا گھر نہیں بلکہ اِن بے انداز خوشیوں

کو بچہ یا جوان یا بُوڑھا کھانے پینے سانس لینے والا
تندرست یا بیمار۔ طاقت ور یا کمزور۔ بھُوکا پیاسا یا
ترپت، جنم مرن شیل وجُود مانا کرتا ہے۔ اِسے
یہ دُنیا بھی شکتی کا کھیل پرتیت ہوتی ہے۔ اور
بھگوان کا بھی سرشٹا اور شکتی مان کے رُوپ میں
ہی چنتن کرتا ہُوا اِسے سرشٹی کی اُتپتی اور پرلے
کا کارن تصوّر کرتا ہے۔ یہاں شکتی شاسن کرتی
ہے۔

تیسرا آورن منو مئے کوش ہے۔ جس پر جینے
والا منشیہ اپنے اور سارے جگت کو ایک خیالی
ہستی یقین کرتا اپنے بھگوان کو بھی ایک موجی۔
سو سچھا چاری ستّا سمجھتا ہُوا کوئی نیم نہیں دیکھ
پاتا۔ اور اِس کا اپنا جیون خام خیال ہوتا ہے۔
اِسے اپنے اندر یا باہر کوئی ترتیب یا قانون یا
مقصد دکھائی نہ دینے سے وہ "اگر یُوں ہُوا تو کیا
ہُوا اور اگر وُوں ہُوا تو کیا ہُوا۔" کہہ کر دِل کو تسلی
دیا کرتا ہے۔ یہاں اُپنیاس اور کلپنا ہی راجیہ
کرتے ہیں۔

جوتھا نہائیت چمکیلا غلاف "وگیان مے کوش"

(۴)

پانچ پردے یا پانچ میٹر؟

اَدویت وادی ویدانت کہتا ہے کہ جیسے میان
تلوار کو چھپا لیتی ہے۔ ویسے ہی پانچ اناتم غلاف
ہیں۔ جنہوں نے انتر آتما کو چھپا رکھا ہے۔ ان میں
سب سے بڑھ کر ستھول غلاف "آنا مے کوش"
ہے۔ یہ جسمانی پردہ ہے۔ جس کی وجہ سے اپنے
کو جسم کثیف تصور کرتے ہوئے اپنے واستو سَروپ
کا انوبھو نہیں کر سکتے۔ اور یہ سچ ہے۔ کہ ستھول
شریر کو اپنا آپ مان لینے سے بڑھ کر کوئی اگیان
نہیں ہے۔ آن مے کوش پر جینے والا پُرش اپنے
کو ایک وزن دار وجود مانتا ہے۔ موٹا یا پتلا، گورا
یا کالا۔ جوان یا بُوڑھا اور چند فیٹ لمبا جانتا ہے اور
اِسے اِرد گرد کی دُنیا بھی فقط جسمانی محسُوس ہوتی
ہے۔ یہاں جڑتا پردھان ہے۔

دُوسرا پردہ پران مے کوش ہے۔ جس کی وجہ
سے ہم اپنے کو پران (قوتِ حیات) مان کر خود

دیکھا کرتے ہیں۔

ویدانت اِن کوشوں کو اناتما۔ جڑ۔ وِکاری۔ ناشمان اور مِتھیا قرار دیتا ہوا ان سے تینکا توڑنے یا انہیں بالکل بُھلا دینے کی سفارش کرتا ہے۔ تاکہ کیول سچدانند سوروپ آتما کا انوبھو ہونے پر انتتہ اسی میں سما جانا ممکن ہو جائے۔ ویدانت ہمیں کُل ہستی اور زندگی کے مُول (مال) کی طرف لوٹنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اور رواجی مذہب بھی ہمیں پختہ سالی سے بچپن کی طرف عَود کرنے کی تدابیر و رسوم سکھاتا ہے۔ مگر یہاں پر بھی یہ سوال اُٹھتا ہے کہ جیون نِتّا نِتّ سماپتی کے لئے ہے یا سپھلتا اور پُورنتا کے لئے؟ ویدانت تو جیون کو جیون کے ہی انتہائی خاتمہ کا ذریعہ بتاتا ہے۔ اس کے سوا اِسے جیون کا کوئی معقول مقصد ہی دِکھائی نہیں دیتا۔

لیکن اگر غور سے دیکھیں۔ تو جینا وجود اور ماحول کے تعلق میں ہے۔ بے تعلقی میں کوئی زندگی اور خوشی نہیں۔ یہ تو مستی اور موت کی طرف لے جاتی ہے۔ اور اس تعلق کے لئے ہی یہ پانچوں کوش ہیں۔ جو پردے یا غلاف ہونے کی بجائے

کا ہے۔ اِس طبقہ پر جینے والا منشیہ اپنے کو ایک عقلی وجود جانتا اور مانتا ہوا سرشٹی میں بھی ترتیب حکمت۔ قانون۔ مقاصد دیکھا کرتا ہے۔ اور وہ بھگوان کو بھی سروگیہ۔ گیان مے۔ نیتا اور بدھاتا نِشچے کرتا اور اسے ہرنیہ گربھ کے نام سے یاد کرتا ہوا اپنے اِردگرد کی سرشٹی کو بھی مجسم حکمت اور اٹل قوانین کے ماتحت دیکھتا ہے۔ یہاں وگیان کا بول بالا ہے۔

پانچواں لطیف ترین پردہ "آنند مے کوش" کہلاتا ہے۔ یہ کلاکاروں اور کویوں کا لوک ہے۔ جس پر سوندریہ اور رس کا انوبھو ہوتا ہے۔ اِس کوش پر جینے والا زندگی میں سوندریہ اور آنند میں مستی چاہتا ہے۔ اور انہیں مولیوں کو اپنے اور دنیا کے وجود کی اصلی اور آخری حقیقت یقین کرتا ہوا رس کے لین دین کے لئے ہی جیتا ہے۔ یہ کلا (آرٹ) کی سرشٹی ہے۔

اِس طرح اِن کوشوں پر جینے والے لوگ اپنے اور جگت میں اپنے اپنے نظریہ کے مطابق مادہ، طاقت خیال قانون فطرت یا جمال و سرور

تھے۔ یہ فلسفہ عصبی کمزوری - ترکان - نراشا اور جیون
سے اُداسینتا کا پھل ہے۔ اور اسی لیئے اِس کا رُخ
بیداری - ہوشیاری اور ذمہ داری کی بجائے مستی
اور نشے کی طرف ہے - یہ وِکرت درشن امرت پلانے
کی بجائے زہر کا پیالہ پلاکر ہوش اور زندگی کا خاتمہ
کرنا چاہتا ہے - یہ وویک اور جاگرن کی بجائے
مہلک نشہ یا غشی ہی تو ہے - یہ تتو گیان نہیں
بلکہ وہ مہت بھرم ہے - جو دیش کے بہترین دِلوں
اور دماغوں کو جنگلوں اور غاروں کی طرف بھگاتا ہُوا
بھارت کو صدیوں سے ایک پر کانڈ شمشان بھومی
بنائے رہا ہے؛

جب ہم اِن پنچ کوشوں یعنی ستھول شریر،
سوکشم شریر (پران - من - وگیان) اور کارن شریر
(آنند) کو اپنا آپ نشچے کرنے کی بجائے انہیں
اپنے جیون کی سپھلتا کے اولیہ یَنتر اور اپنے کو
ان کا مالک جان کر اِن کی ارادی حرکات اور اِن
سے پیدا ہونے والے اندرونی شور کو کچھ دیر کے لیئے
بند کر دیتے ہیں - تب ہی آتم ساکشات کا امرت
پراپت ہوتا ہے - اِسی طرح نیتری اور نیتر کا امتیاز

ستیہ اور اِس کی اننت وِبھوتیوں کا درشن کرتے ہوئے جیون کی سپھلتا کے اُولیہ نیشتر یا سادھن رُوپ ہیں اگر جسم یا دل و دماغ نہ ہوتے تو ستیہ کو جانتا و پہچانتا ہی کون اور کیسے؟ یہ پنچ کوش غلافات ہونے کی بجائے ستیہ کے اننت ایشوریہ - وِبھوتی - مہما سوندریہ کی اور جگا کر ہمیں جیونت اور پرم آنند کے بھاگی بناتے ہیں۔

جہاں کثرت (ناناتو) تعلق - اختلاف - تمیز تضاد نہیں - وہاں زندگی ہی کہاں ہوگی؟ اور جب زندگی نہیں تو دھرم - پرمارتھ - سپھلتا کا اِلکھ ہی کیا؟

ستیہ ہے مگر وہ جتنا واقعیت میں ہے - نرگن ہوکر بھی وہ اننت گنوں کی اپار ندھی ہے - اور یہ پنچ کوش ہی ہیں - جو برہم کے سگن رُوپ سے ہمارا تعلق قائم کرکے ہمیں کِرتارتھ اور جیونت مُکتی پردان کرتے ہیں - جیون سے مُکتی نہیں۔

پنچ کوشوں کو حقیقت پر پردے تبلانے والا مسئلہ اِن دماغوں کی ایجاد ہے - جو اندر سے خالی ہونے کے باعث اپنے ارد گرد جڑتا - مُردہ پن - سوکھاپن - وِکار - دُکھ - مرتیو کے سب کچھ دیکھ نہ پاتے

(۵)

برہم اور مایا

ستیم "برہم ہے۔ فتوے کا ویدانت پرچلت
پرتیتی جگت اور ۔ ہے برہم ارتھات "۔متھیا جگت
دراصل ۔ مانند کی دھوکہ کے سانپ میں رسی ۔ ہے ماتر
جاتی کی پیش دلیل یہ لئے کے اس اور ۔ نہیں ہے
ورنہ ۔ ہے سکتا ہو ادویت ایک کیوں ستیہ ۔ ہے
چونکہ ۔ گا رہے نہ ہی ستیہ سے ہونے نہ انرت وہ
ہی دونوں جگت اور برہم لئے اس ۔ ہے ایک ست
ہو پرمان کا درشیہ درشٹا چونکہ اور ۔ سکتے نہیں
برہم لئے اس ۔ نہیں کا درشٹا درشیہ ۔ ہے سکتا
ستیہ ہی کو برہم ایک سے میں دونوں اِن ۔ جگت اور
کہ لئے کے توجیہ کی امر اِس اور ۔ ہے پڑتا ماننا
سے کیوں بھاستا تو نہیں ہی ہوا کبھی جگت جب
مثالیں کی جگت سوپن اور ترشنا مرگ ۔ سانپ اور رسی
جاتا کہا کر ٹال میں "گومگو" کو بات اِس کر دے

اصلی دویک ہے۔ مگر ان سے ویراگی ہونا ایک مہلک بھول ہے۔

؎ اے برادر یک دم از خود دور شو
در خود آذ غرق بحر نور شو (مثنوی شریف)

" اے بھائی ایک دم کے لئے تو اپنے ظہوری مگر بے بہا وجود سے تمیز کرکے اپنی ذات میں جو جیوتی ساگر ہے۔ غوطہ لگا۔

کہتا ہے۔

کیا کوئی عقلمند بیج کو بیج کہہ سکتا ہے۔ جس میں اپنے اندر سے پرکشش اُتپن کرنے کی شکیتا نہ ہو؟ بیج خود ایک ہونے پر اپنے اندر سے اننت گنوں کی وچترتا اور سوندریہ ظاہر کرتا ہے تو بیج کو ست۔ اور پرکشش کو متھیا کہنا گویا خود بیج کو ہی ایک دھوکہ ثابت کرنا ہے۔ مایا واد کہتا ہے کہ برہم جگت میں موہوم ہے۔ مگر اس وہم کی پیدائش سے پہلے اس وہم کا شکار ہونے والا کوئی ذہن درکار ہوگا۔ جو جگت سے پہلے ہو نہیں سکتا۔ ورنہ جگت سے پہلے جگت ماننا پڑے گا

بھلا بیج کا مولیہ ہی کیا ہوگا۔ اگر وہ کیول ایک ادویت اور نرگن ہی ہو؟ بیج کو مولیہ اور مہما پروان کرنے والے تو اس کے گن ہیں۔ جو صدیوں تک اپنا پرکاش کرتے ہوئے درشیہ جگت کو سشوبھت کرتے ہیں۔ صرف ہونے اور صرف ایکتا میں کوئی بڑائی نہیں ہے۔ ساری شان اور مہما شوبھا اور سرسنتا تو انیکتا اور وچترتا میں ہے۔ بھلا پرش کے انیک انگوں اور کریاؤں

ہے۔ کہ برہم تو سویم ستیہ ہے۔ مگر جگت مایا کی اندر جالک رچنا ہے۔ اور جب مایا کے بارہ میں پوچھا جائے۔ تو کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ اسے ماننا تو پڑتا ہے۔ مگر نہ تو یہ ست ہے۔ نہ است اور نہ ست اور است ہے اور بس۔

ادویت واد (وحدتِ وجود) تو ایک ابدی سچائی ہے ناقابلِ انکار۔ مگر مایا واد خود زندگی کے خاتمہ کی بلاہل ہے۔ مگر یہ کوئی درشن نہیں خالی ٹال مٹول ہے۔ جو شدھ وچار کے روبرو ٹِک ہی نہیں سکتی۔ مثلاً جب رسّی میں سانپ کا بھرم ہوتا ہے۔ تو صرف اُسے ہی جس نے کہیں یا کبھی سانپ دیکھا، سُنا یا جانا ہو۔ صحرا میں سراب کا وہم بھی اُسے ہی ہوتا ہے۔ جسے پانی کا تجربہ یا علم ہے۔ تو برہم میں جگت کا دھوکہ ہونے کی بھی کوئی بنیاد چاہیئے۔ جو کہ مایا واد نہیں بتا سکتا نیز قاعدہ کی بات ہے۔ کہ ہمیشہ معلوم کے ذریعے نامعلوم کی توجیہ کی جاتی ہے۔ تو جگت جو محسوس اور معلوم ہوتا ہے۔ اس کی تشریح مایا سے جو اگو ہے۔ کرنا اپنے سوچ بچار کو خیرباد

ہے۔ کیونکہ گنوں کو منفی کرتے ہی برہم خود بخود نفی ہو جاتا ہے۔ بھلا انیک۔ اننت کرنوں کے بغیر سورج کا ارتھ ہی کیا ہوگا؟ بے شک برہم ایک۔ ادویت۔ دیش۔ کال۔ وستو سے اتیت ہے۔ مگر اس کا تھیا رتھ اننت بھاؤ اس کے اننت گنوں اور وبھوتی میں ہے۔ صرف سن ماتر یا چن ماتر تو تو اسورت کلپنا ماتر ہیں۔

پس جگت برہم میں کلپت نہیں۔ بلکہ برہم سے ہے اور برہم کا سوبھاو ہے۔ برہم کی اپنی مایا (شکت وبھوتی) ہے۔ اور اس لئے گیان درشٹی سے جگت درشن ہی برہم درشن ہے۔ برہم اور مایا کی بجائے "برہم کی مایا" کہنا درست ہے۔ یہ زندہ وحدت ہے اور جیون یوگ ہے۔ جو جیون سے مکتی دینے کی بجائے ہمارے اننت شکیہ جیون کو مکت (پرکٹ) کر کے پرم آنند دیتا ہے۔

آج جبکہ سمنت ویشوں میں جگت یا پرکرتی کے ادھین سے نت نئے سے نئے اوشکار کئے جا رہے ہیں۔ بھارت پرم پرا کی نیند میں پڑا سوتا ہے اور اگر کبھی دیکھتا ہے تو صرف پیچھے کی اور۔ اس

کے بنا اِس کا جیون اَور سو ندریہ کیا ارتھ رکھ سکے گا ؟

گنی کو گنوں سے الگ ماننا یا اس کے گنوں سے اِنکار کرنا خود گنی کا خاتمہ اَور اِس سے اِنکار ہے برہم کو کیول بزگن تبلا کر اِس کے انت گنوں سے انکار سے بڑھ کر کوئی ناستکیہ نہیں ہے۔ گنی اگر جیتا ہے تو اپنے گنوں میں۔ کیول اپنے ہونے میں نہیں۔ اگر وُہ انت ہے۔ تو کیول۔ دیش۔ کال وستو سے سیمت نہ ہونے کے کارن نہیں بلکہ اپنی شکتیاؤں اور سمبھاوناؤں کے کارن ہی جیونت کہلا سکتا ہے۔ اَور اصلی انت بھاو تو انت گنوں میں ہے۔ کیول ہونے (سن ماترتا) میں کبھی نہیں۔

جو نام نہاد فلسفہ جگت کو متھیا تبلاتا ہے۔ وُہ اِنسانی دماغ سے جو جگت کی ایک کشدر انش ہے۔ ستیہ استیہ کا پرنے کا کوئی ادھیکار ہی نہیں رکھ سکتا۔ دماغ کے وسیلہ سے جگت کے متھیاتو کا سندیش پاگل کی بڑ کے سوا کچھ نہیں ہے سچی آستکتا تو گنی میں اَور گنی سے گنوں کو دیکھنا

ایک سرب ہے اور سرب ایک ہے
اس میں سے کچھ بھی منفی کرنا ہلاک ناستکتا ہے۔
جسے دور کرنا ہوگا۔ تب ہم صرف کثرت میں بھٹکنے
یا صرف وحدت میں ڈھونڈنے کی بجائے کثرت میں
وحدت اور وحدت میں کثرت۔ تغیر میں عینیت
اور عینیت میں تغیر۔ آپ میں تو اور تو میں آپ
کو دیکھنے کے قابل ہو کر اپنے جیون کو سپھل کر
پائیں گے۔

لیے سیدھا آگے بڑھ نہیں سکتا۔ آنکھیں ملی ہیں۔ تو اِرد گرد اور آگے دیکھنے کے لئے بھی۔ صرف پیچھے کو لوٹنے کے لئے نہیں۔

یتھارتھ اودّیت واد یہ ہے کہ برہم ایک اودیت اسیم۔ اننت شکتی مان اور سرب گن ندھان ہے۔ مایا اس کا اپنا پرکاش ہے۔ اپنا گیت اور یرتیہ ہے اور ورشٹا اور درشیہ کے میل میں ہی پورنتا ہے۔ کیول ورشٹا میں سمٹت ہو رہنے یا کیول درشیہ کے پیچھے دوڑے جانے میں نہیں۔

ایسا اودّیت واد جیون۔ وگیان۔ کلا۔ وکاش اور نوی کرن کو سمّان دیتا ہے۔ مایا واد نانا تو اور پریورتن سے ڈرتا ہوا نہیں جاتا۔ کہ نانا تو میں ہی تو سوندریہ ہے۔ اور لگاتار پریورتن میں ہی چر نوینتا ہے۔ لگاتار پریورتن اور نانا تو ایک پرکار کے وکار ہونے کی بجائے پرم آدرنیہ جیون مولیہ ہیں۔

یہی سنسار سورگ اور دِویہ لوک ہو جائے گا جب گُنی اور گنوں کے بھید کو سویکار کرتے ہوئے ان میں وچھید (انہیں ایک دوسرے سے الگ، ایک کا اقرار اور دوسرے سے انکار) نہیں کیا جائے گا۔

ہی نہیں۔ پشو ہی رہتا ہے اور اِس لئے اُس خاص آنند سے محروم رہ جاتا ہے۔ جو صرف منشیہ کو ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ جب تک ستیہ کی انوبھوتی نہ ہو۔ ہم اپنے آپ کو کھوئے اور اپنی اصل حقیقت کی طرف سوئے ہی رہتے ہیں۔

اِنسانی دُنیا میں جس قدر دُکھ پایا جاتا ہے۔ اس کا عشرِ عشیر بھی دُوسرے جانداروں کے حصّہ میں نہیں آتا۔ بے شک دُوسرے جانور بھی دُکھی اور بیمار ہو جاتے ہیں۔ مگر شاذ و نادر۔ اِن کے درمیان بھی اگر جنگ و جدل پایا جاتا ہے۔ تو صرف ضروریاتِ زندگی تک ہی محدود۔ مگر اِنسانی دُنیا میں تو ہر فرد ساری کائنات کو ہی ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ اِسی لئے اُس کے جسمانی دُکھ اور بیماریوں کی کوئی حد ہی نہیں۔ تخیل اِس کی خواہشات اور خوفوں کو بے حد بنا کر اِسے نیند میں بھی چین نہیں لینے دیتا۔ اور مانسک کلیش تو منشیہ کا ہی حِصّہ خاص ہیں۔

دُوسرے جاندار صرف نقطۂ حال میں ہی جیتے ہُوئے گذشتہ اور آئندہ کی سُدھ نہیں رکھتے مگر اِنسان ماضی کی یاد اور مستقبل کی پیش بینی میں

(۶)

ستیہ درشن

پہلے وِچار کیا جا چکا ہے۔ کہ کیول منشیہ ہی
اِس پرکھوی پر ستیہ گیان کا اِدھکاری ہے اور
ستیہ گیان کی پراپتی ہی جیون کی سپھلتا ہے۔ اور
کچھ بننے، پانے یا کسی اور لوک میں جانے میں
نہیں۔ ستیہ ہی ہماری پرم گتی۔ پرم سمپد۔ ہمارا
پرم دھام، سچا آنند اور امرت ہے۔ ستیہ انوبھوتی
ہی جیون کا دھییہ ہے اور سبھی کچھ اِسی اصلی
مقصد کا وسیلہ ہو سکتا ہے۔ اور اِس میں رکاوٹ
بھی اگر اِسے خود ہی مقصد مان لیا جائے تو۔
جب تک بیج پھوٹ کر پھل پر نہ پہنچے۔ اور
ندی کا ساگر سے ملاپ نہ ہو۔ اِن کے لئے
وشرام ہی کہاں؟ اِسی طرح جب تک منشیہ ایک
ادویت۔ اکھنڈ۔ اننت۔ پُورن ستیہ کا ساکشات کار
کر کے اِس میں جینا آرمبھ نہیں کرتا۔ وہ منشیہ ہوتا

رہی ہے۔!

مگر اِنسان اپنی عمیق تریں اُمنگوں کو ہمیشہ کے لئے دبا یا بُھلا نہ سکے گا۔ اِسے اپنا سوال خود حل کرنا ہوگا۔ کیونکہ صِرف اِنسانی زِندگی ہی تو آزادی اور ذِمّہ داری کی زِندگی ہے۔ زِندگی آنند چاہتی ہے۔ کیونکہ آنند اِس کا اپنا سوبھاؤ ہے۔ اور اِنسانی تاریخ شہادت دیتی ہے۔ کہ اِنسان آنند کو نہ صِرف پا سکتا ہے۔ بلکہ آنند کو پانا ہی اس کا اصلی دھرم ہے۔ "آنند ہی برہم ہے۔"

ہر ایک جاندار کی خوشی کا راز اِس کی فِطرت میں ہی پایا جاتا ہے۔ کِسی دِل میں جِس مطلوب کے لئے طلب موج زن ہوتی ہے۔ وُہ دل میں ہی موجود ہوتا ہے۔

اِنسانی فِطرت کی طلبِ خاص ستیہ پراپتی ہے اس کے بِنا اسے پائیدار شانتی اور آنند نصیب نہیں ہو سکتے۔ستیہ انُبھوتی ہونے پر اپنا ہی وجود اور اس کے ساتھ اِردگرد کا جگت بھی سورگ ہو جاتا ہے۔ اور تب سے جیون ستیہ کی اِدھر اُدھر، اندر باہر کھوج کی بجائے آنند کا اپنے ہر طرف وِکرن

ایسا ڈوبا رہتا ہے۔ کہ اسے حال میں اپنے ہونے کی سُدھ ہی نہیں رہتی۔ آئندہ کا خوف سدا اس کے دل پر طاری رہتا ہے۔ کیونکہ کیول منشیہ ہی تو مرنے سے پہلے اپنی اٹل موت کو خیال میں لا سکتا ہے۔

لوبھ لالچ۔ بھے۔ ایرشیا۔ کرودھ وغیرہ ہمارے منفی جذبات جسم میں ایک روگ اُتپن کر دیتے ہیں۔ اسی لئے مہذب دُنیا کی ہر گلی کوُچے میں وید۔ ڈاکٹر بیماریوں پر پل رہے ہیں۔ جبکہ حیوانات کا ایک شفاخانہ ہی سارے شہر کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اور چونکہ ستیہ درشن کے بغیر انسان پر حیوانیت ہی غالب رہتی ہے۔ اس لئے اشرف المخلوقات کو پولیس۔ جیلخانے۔ پھانسی۔ پستول بم۔ زہریلی گیس اور فوجوں کی مُلک مُلک میں ضرورت ہے۔ اور اس طرح نباتات کی خوشبوؤں۔ شیرینیوں اور دلفریب خوبصورتیوں اور حیوانات کے خالی از فکر و تشویش۔ رقص و سرُود کے درمیان انسانی آبادی ایک شرمناک اور مکرُوہ مثال پیش کرتی ہوئی ہمیں خود زندگی سے ہی فرار کی طرف لے جا

سب اور سب میں ایک انوبھو ہو۔ اور ستیہ کے پرکاش کے سوا کہیں۔ کبھی اور کسی حالت میں کچھ نظر نہ آئے۔

ستیہ انوبھوتی کے معنی ایک اودیت۔ نرپیکش پورن۔ اننت، آنندمے ستیہ کا براہ راست درشن ہے۔ کوئی کلپنا یا سوپن نہیں ہے۔ اور یہ جبھی ممکن ہے۔ کہ جبکہ وہ آپ ہی ستیہ ہو جائے۔ یعنی آپ ہی درشیہ، درشن اور درشٹا ہو جائے۔ آپ ہی راہگیر اور آپ ہی منزل، آپ ہی بھگت اور آپ ہی بھگوان ہو۔

مگر یہ ستیہ درشن اپنے آپ (آتما) سے کیا جا سکتا ہے۔ اندریہ یا انتہ کرن کے دوارا اکھنڈ اور اننت کا درشن سمبھو نہیں ہے۔ کیول آتما سے ہی پرم آتما (جو آتما کا ہی دوسرا نام ہے) کا انوبھو کیا جا سکتا ہے۔ انتہ کرن کی کسی برتی دوارا کبھی نہیں۔ ستیہ انوبھوتی کامل سکون اور خاموشی میں ممکن ہے۔ جو پنچ کوشوں کے پول پر نہیں پائی جاتی۔ انتر آتما بانی اور من سے پرے وہ سکون مطلق ہے۔ جو کل حرکات کا مصدر

کرنے لگتا ہے ۔

حیوانات کیوں عموماً خوش دیکھے جاتے ہیں ۔ اس لئے کہ فطرت ان کی ضروریات کو مہیا کر دیتی ہے مگر انسان ایک ایسا وجود ہے ۔ جسے اپنے مطلوب کی طویل کھوج کرنا پڑتی ہے ۔ کیونکہ اس کا مطلوب آدرشیہ (غیر مرئی) ہے ۔ مگر اپنے ادرشیہ ، اپرمیہ ، اننت مطلوب کو پہچان کر جو آنند ملتا ہے ۔ وہ کسی اور مخلوق کے حصہ میں نہیں آیا ۔ اور جب تک یہ آنند نہیں ملتا ۔ انسانی تخیل اسی آنند کو خیالی عاقبت اور خیالی خدا میں پانے کی ناکام کوشش کرتا ہے مگر جب اسے یہ آنند پراپت ہو جاتا ہے ۔ تب یہ ساری کی ساری خوشگوار کلپنائیں خود بخود جھڑ جاتی ہیں ۔ تبھی تو وہ

ترکِ دنیا ۔ ترکِ عقبےٰ ، ترکِ مولا ، ترکِ ترک کا اعلان کر پاتا ہے ۔ کیونکہ وہ خود ہی طالب و مطلوب ، عاشق و معشوق ہو جاتا ہے ۔ اور بندہ اور خدا کا بھی تفرقہ مِٹ جاتا ہے ۔

ستیہ درشن یہی ہے کہ سارا جگت ستیہ کا ہی روپ دکھائی دے ۔ ایک میں

(۷)

آستک اور ناستک

اگر کسی سوال نے سب سے بڑھ کر ایک جھوٹا وہم پھیلا کر انسانی کرہ ہوائی کو زہر آلودہ کر رکھا ہے اور صفحاتِ تاریخ کو انسانی خون سے رنگین کرتا چلا آیا ہے۔ اور جسے صاف صاف طور پر اب تک نہیں سمجھا گیا۔ تو وہ آستک اور ناستک کا سوال ہے

آستک کو عموماً قابلِ احترام مانا جاتا ہے۔ اور اس کے خلاف ناستک کو قابلِ نفرت بلکہ کہیں کہیں تو واجب القتل ٹھہرایا جاتا ہے۔

اور آستک اور ناستک کا عام معیار یہی ہو چلا ہے۔ کہ اپنے ہم عقیدت لوگ کو آستک کی پدوی دی جاتی ہے۔ اور اپنے سے مختلف عقیدہ رکھنے کو ناستک کہہ کر دھتکارا جاتا ہے۔

ہر ایک مذہبی فرقہ یہی چاہتا ہے۔ کہ سبھی لوگ اس کے دائرہ عقیدت کے اندر آ جائیں۔ اور ان کے

ہے اور وہ خاموشی جس سے کائنات کا ابدی گیت اُٹھتا ہوا بے حد مکان و زمان کو آنند سے بھرپور کر رہا ہے۔

کوششوں کی راہ سے تو ستیہ کے رُوپوں کا ہی اُوبھو ہو سکتا ہے۔ سویم ستیہ کا نہیں۔ جو کہ کیول اپنے آپ سے ہی پایا جا سکتا ہے۔ اور جس کے درشن کے لئے صرف خورد بین اور دُور بین کو ہی نہیں بلکہ تخیل و قیاس کو بھی ایک طرف رکھ دینا ہوتا ہے۔ ستیہ کو پا کر ہی منشیہ کرت کرتیہ اور آپت کام ہوتا ہے۔ پہلے کبھی نہیں۔ کیونکہ اِس کی بے حد بھوک کو غیر محدود ستیہ ہی ترپت کر سکتا ہے۔

برہم درشی پُرش جو بیک وقت آتم درشی ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ "آتما ہی برہم ہے۔" ستیہ درشن کا اعلان یُوں کرتا ہے۔

"یہ برہم امرت ہی آگے ہے۔ برہم (ہی) پیچھے ہے۔ برہم (ہی) دکشن میں ہے۔ برہم (ہی) اُتر میں ہے۔ برہم ہی نیچے اُوپر پسرا ہوا ہے اور یہ برہم ہی یہ اُتکرشٹ جگت ہے۔ (اور کبھی کچھ نہ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے)

غیر محدود ہیں۔

(ج) خاص اور مقررہ مذہبی رسوم کا پابند نہیں۔ یعنی جو رسوم مذہبی میں بھی لگاتار اصلاح چاہتا ہوا لکیر کا فقیر ہونا پسند نہیں کرتا۔

(د) دُنیا کی اُتپتی اور ناش کے بارہ میں ہم عقیدت نہیں ہوتا۔ مثلاً جو کہتا ہے کہ دُنیا کا کہیں آغاز اور اختتام نہیں ہے۔ یہ سدا سے چلی آتی ہے۔ اور یہ اپنی اندرونی زندگی سے ہی پیدا ہو رہی ہے۔ اسے بنانے اور رچنے والا کوئی اور وجود نہیں ہے

(ر) کہتا ہے کہ بھلے یا بُرے کرم اپنا پھل آپ لاکر سورگ یا نرک پیدا کرتے ہیں۔ کرموں سے الگ کوئی ان کا حساب رکھنے یا ان کا پھل دینے والا نہیں ہے۔

(س) کیسی بھی بانی مذہب گذشتہ اور آئندہ ہونے والے انسانوں سے افضل اور انسانی بھول چوک سے مبرّا ماننے کو تیار نہیں ہے۔ یعنی کسی ہادی کو بھی انسانی اقدار سے برتر ہمہ دان یا ناقابلِ خطا نہیں مانتا۔

دائرہ عقیدت سے باہر رہنے والے لوگ کسی نہ کسی طرح ختم ہی ہو جائیں۔ وہ سب سے ہم رائی کا مطالبہ کرتا ہُوا اختلاف رائے کو ایک عظیم جُرم قرار دیتا ہے لیکن مختلف مذاہب کے لئے لوگوں نے کبھی مِل کر نہیں سوچا۔ کہ وُہ کونسا عقیدہ ہے۔ جو تمام لوگوں کو اپنے دائرہ میں کبھی لا سکتا ہے۔ سبھی نے اندھا دُھند یہ مان رکھا ہے۔ کہ ہمارا ہم عقیدت فرد ہی آستک ہے۔ اور باقی سبھی ناستک ہیں۔

مذہب کے پیرو کار لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ ناستک وُہ ہے۔ جو

(ا) اپنے آپ اور دنیا سے الگ یا ان کے مقابلہ میں بھگوان کی ستّا کا قائل نہیں۔ یعنی جو انسان فطرت اور خدا کو ایک دُوسرے سے علیحدہ ہستیاں نہیں مانتا۔

(ب) خدا کی طرف سے کسی الہامی کتاب یا مُلہم کا قائل نہیں۔ یعنی جو کہتا ہے۔ کہ تمام کُتب انسانی پیداوار ہیں۔ اور کوئی بشر خدا کی طرف سے بھیجا ہُوا نہیں آتا۔ سبھی افراد واقعیت میں محدود اور اپنے امکانات میں

میں دُوسری ہستی کا ہونا محال ہے۔

(ب) اپنے کو عابد اور ساجد جان کر حق کی عبادت اور اس کے آگے سجدا کرتا ہے۔ مانتا ہوا

(ج) اپنے اندر ہی کل سچائی کا چشمہ نہ ملتا خدائی الہام کو تاریخ یا دُوسرے افراد میں ڈھونڈتا ہوا سچے اور جھوٹ کا فیصلہ کرتے وقت اپنی اندرُونی روشنی پر اعتماد نہیں رکھتا

(د) خوف اور لالچ کے بس خدا کے ساتھ اور اپنی حفاظت کے لیئے اس کی پناہ لینا چاہتا ہے اپنی خود غرضانہ اغراض کے بس میں دُعا مانگتا اور مناجات کرتا ہے اور مذہبی رسوم کے ذریعے خدا سے اپنے ارادہ کے مطابق کام لینا چاہتا ہے۔

(ر) انسان کو ایک محدود مخلُوق مان کر خدا کو اپنا خالق تسلیم کرتا ہُوا خود کو ذمّہ دار اور اپنا معمار قسمت نہیں مانتا۔

(ڑ) زمینی زندگی ایک طرح کی جلا وطنی اور اس دُنیا کو ایک قسم کا جیلخانہ مان کر مرنے کے بعد خدا کا وصال و حضوری حاصل کرنے کی آشا

(ص) جو یہ یقین رکھتا ہے کہ سچائی کی کوئی اور کہیں حد نہیں ہو سکتی۔ دُنیا میں نئی سے نئی اور اعلےٰ سے اعلےٰ تر سچائیوں کی دریافت کا سدا امکان ہے۔ جو کسی بھی کتاب یا شخص کو کبھی جُداگانہ طور سے کلُ سچائی کا حامل نہیں مان سکتا۔

(ع) اپنی مذہبی کتاب میں بھی غلطی کے امکان سے انکار نہیں کرتا

اہلِ مذہب کی یہ تنگ نظرانہ نفرت یہاں تک شدت پذیر دیکھی گئی ہے۔ کہ وُہ ناستک کو دیکھنا یا اسے خیال میں لانا تک برداشت نہیں کر سکتے۔ اور کئی بار تو وُہ اِس کے قتل کے عوض میں اپنے تئیں سعادتِ دارین دیکھ پاتے ہیں۔

مگر اہلِ حقیقت بولی میں ناستک وُہ ہے جو

(ا) وحدتِ وجود کا قائل نہ ہو کر خدا کو اپنے آپ اور سرشٹی سے الگ ایک جُداگانہ ہستی خیال کرتا ہے۔ کیونکہ جہاں ایک ظہور میں کوئی دوسرا ظہور تو ہو سکتا ہے۔ مگر ہستی

رائے دیکھ کر بھی آزردہ خاطر ہونے کی بجائے مسرور ہوتے ہیں۔ جیو اور جینے دو کے اصول انسانیت کے مطابق۔ کیونکہ وہ کل کثرت۔ اختلاف اور تضاد کے اندر بھی ناقابلِ تقسیم وحدت بلکہ یگانگت دیکھ پاتے ہیں۔ وہ آتم وشواس کو ہی سچی آستکتا دیکھتے ہیں۔ جبکہ اگیانی لوگ پر وشواس کو آستکتا خیال کرتے ہیں۔

گیانی کی نظر میں کوئی بھی ناستک نہیں ہے کیونکہ ہر فرد بشر ہستی۔ ترتیب۔ قانون۔ بھلائی اور خوبصورتی کا قائل ہے۔ آستک اور ناستک کا پرانا اور واہیانہ جھگڑا صرف عقائد کی دنیا میں اٹھتا ہے۔ اور واقعیت اور حقائق کی دنیا کو چھونے ہی نہیں پاتا۔

رکھتا ہے یا گذشتہ زمانہ میں برترین کمال کا قائل تو ہے۔ مگر اب یا آئندہ مزید ارتقا کی آشا نہیں رکھتا۔

(س) کائنات کو ایک ناظم کے ماتحت اور ایک صانع کی صنعت خیال کرتا ہُوا خدا کو واضع توانین اور کرم پھل پر داتا مانتا ہے۔

(ص) کل فطرت کو ہی مجسم سچائی، بھلائی اور خوبصورتی نہیں مانتا۔ اور نہ ہی ظواہرِ عالم کو براہِ راست اور حقیقی الہام اور تمام مقامات و لمحات کو یکساں طور پر مقدس اور سعد نہیں سمجھتا۔

(ع) کل سچائی کسی ایک مقدس کتاب میں بند جان کر نئے سے نئے اور دائما ترقی پذیر الہامات و انکشافات کے امکان سے منکر ہے۔

(ف) جو اپنی حقیقی ہستی کی بجائے کسی اور ہستی کو سب کا اوّل و آخر یقین کرتا ہے۔ مگر اہلِ حقیقت ایسے ناستکوں سے بھی نفرت کرنے کی بجائے انہیں اپنی مانند پیار کرتے ہُوئے آزادی کے ساتھ سوچنے اور ماننے کی کھلی اجازت دیتے ہیں۔ اور اپنے ساتھ اختلاف

یہ بات ناقابلِ انکار ہے۔ کہ جمادات، حیوانات اور اِنسان سب کے سب ایک ہی زندہ کل کے اجزا اور اعضا کی مانند ہیں اور ساری کائنات ہی ایک عالمگیر کرم کر رہی ہے۔ جو مختلف اجزا اور اعضا میں مشین کے مختلف پُرزوں کی مانند مختلف صُورتیں اختیار کر لیتا ہے۔ درحقیقت کوئی جُزو بھی بذاتِ خود اور جُداگانہ طریق سے فاعل نہ تو ہے اور نہ ہو سکتا ہے

پس دُنیا میں واقعی اختلاف کی توجیہ جانداروں کے پچھلے کرموں کے ذریعہ نہیں کی جا سکتی۔ کرموں کے پھل کا اِختلاف تو بعد میں ہو سکتا ہے۔ خود کرموں کا اختلاف کیوں ہو گیا؟ جو لوگ اِس سوال کا جواب نہیں دے پاتے۔ وہ کرم کو پرواہ رُوپ تبلا کر سوال کو حل کرنے کی بجائے اِسے پیچھے دھکیل دیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ دُنیا میں اختلاف اور گوناگونی کا راز زمانہ گذشتہ کے کسی نقطۂ خاص پر نہیں پایا جاتا۔ اور اِسے پرواہ رُوپ کہنا سراسر ٹالمٹول ہی ہے۔ اگر کوئی حل مِلتا ہے۔ تو زمانہ حال میں ہی مِل سکتا ہے۔ اور وُہ یہی ہے۔ کہ دراصل ایک ادویت اکھنڈ ستیہ بیج سے برکش کی مانند اِختلاف پذیر

ابھید ستا مانتے ہیں۔ وہ بھقارکھ برہم گیان سے وِنچت ہی رہتے ہیں۔

ایسے ہی سوالات درخت کے اجزائے مختلف تنا۔ شاخ، پتے، پھول، کانٹے اور پھل کے تعلق اُٹھائے جا سکتے ہیں۔ زندگی کے اصلی راز (اختلاف میں وحدت) کو نہ سمجھنے کے باعث۔ یہ اختلافات جسم یا درخت کے اجزا کے کرموں کے پھل نہیں ہوا کرتے۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے سے جُدا نہ ہونے کے باعث جداگانہ کرم کر ہی نہیں سکتے۔ اور یہ سوال بھی بنا رہے گا۔ کہ جداگانہ رُوپ میں آنے سے پیشتر ان کا کرم کہاں ہوگا؟ اور ان کے باہمی اختلافات کو اِن کے پچھلے کرموں سے منسوب کرنا تو بالکل ہی ایک واہیانہ توجیہ ہوگی۔

جب ہم جان لیتے ہیں کہ ساری موجودات، مختلف چیزوں اور روحوں کا مجموعہ ہونے کی بجائے ایک زندہ وجود ہے۔ جس کے تمام اجزا نہ صرف باہم مربوط ہیں۔ بلکہ اِن میں اختلاف کا ہونا بھی پُرمعنی اور ضروری ہے۔ تب جُداگانہ کرموں کے پھل کی توجیہ بالکل ناکارہ ہو جاتی ہے۔

رکھا ہے۔ اگر آزادی نہیں تو ذمہ داری کہاں۔ اور اگر ذمہ داری ہی نہیں تو اخلاق کے کیا معنی ہوں گے۔؟ جب سارا جگت مجبور ہے۔ تو انسانی خیال اور ارادت میں آزادی کیسے وجود میں آ گئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جگت کی عالمگیر مشین میں جس کا ذرہ ذرہ قانون علت و معلول کی زنجیر میں بندھا ہوا ہے۔ ایک لامکان و لازمان نقطہ بھی ہے۔ جو نتیہ مکت ہے اور وہی آتما ہے۔ جو جگت میں نہیں بلکہ جگت اس میں ہے۔ یہ ایک ایسا بالاتر از عقل نقطہ ہے۔ جس کے اندر کل دائرہ کائنات پُر اسرار طریق سے سما رہا ہے! اور جب انسانی قالب میں آتما کا ظہور ہوتا ہے۔ تو گویا جبر کی عالمگیر مشین پر آزادی کا پھول کھل اُٹھتا ہے۔ اسے ہی ارادہ کہتے ہیں۔ مگر یہ پھول موجودات کی سطح پر ہی نمودار ہو کر انسانی ذمہ داری کو ممکن بلکہ ضروری قرار دیتا ہے۔ اس کی جڑ میں میں تو جبر ہی موجود ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ارادہ کے مطابق عمل کرنے میں تو مختار ہے۔ مگر ارادہ میں مختار نہیں۔ کیونکہ یہ تو اس کی بناوٹ۔ فطرت

ہو رہا ہے اور وحدت اور کلیت کے لحاظ سب کا سب کے ساتھ وصال اور سب کچھ سب کو ہی حاصل ہے۔ مثلاً درخت میں پھول۔ کانٹا۔ پتے وغیرہ سبھی اجزا ایک دوسرے اور کل کے لئے جیتے ہیں۔ اور زندہ جسم میں بھی سر۔ آنکھ۔ ہاتھ۔ پاؤں کا سب ایک دوسرے اور کل کے لئے ہونا ضروری ہے اور اس طرح جب کل میں ایک اور ایک میں کل کو دیکھ لیا جاتا ہے۔ تو سب کا عمل۔ حسن و جمال اور کمال مشترکہ دکھائی دیتا ہُوا بھید بھرم کو مٹا دیتا ہے۔ کیونکہ کسی زندہ کل کے سبھی اجزا اور اعضا ایک دوسرے کے ہوں اور ان کے نتائج میں باہم شریک ہُوا کرتے ہیں۔ ستیہ گیان کی یہ اکھنڈ درشٹی وشو جگت کو ہی برہم کے ساکشات وراٹ درشن میں بدل دیتی ہے۔

جب یہ بات صاف ہوگئی۔ کہ نہ کوئی جُداگانہ کرم ہے اور نہ کوئی جُداگانہ پھل ہے۔ تو یہ سوال خواہ مخواہ اُٹھتا ہے۔ جب آزاد اِرادہ اور ذمہ داری جو انسانی خصوصیات ہیں۔ اِن کے لئے کہاں جگہ ہوگی ؟ اِس سوال نے ساری دُنیا کو اب تک حیران کئے

جیتا ہے۔ اور اہدیتا یتن بھی۔ مجبور بھی ہے۔ اور آزاد بھی۔ ترقی پذیر بھی ہے۔ اور مکمل بھی، محدود بھی ہے اور غیر محدود بھی۔

اور مزاج کے مطابق ہوتا ہے۔

ساری کائنات ستیہ کا ظہور ہے۔ مگر انسانی صورت میں خود ہی ستیہ پرکٹ ہو کر جبر کو ایک طرف رکھتا ہوا اپنا سہج پرکاش کرنے لگتا ہے۔ ساری کائنات ایک جسم ہے اور انسان اس کی آنکھ ہے۔ جس کی نظر آزاد ہے۔ اور اسی انسانی مرتبہ پر ہی آزادی اور ذمہ داری ظہور میں آتے ہیں۔ انسان مختار کلی ہے مگر وہ اپنے اختیار میں مجبور بھی ہے۔ جہاں تک اس کا اختیار ہے۔ اسی حد تک وہ ذمہ دار بھی ہے۔ اور انسان کی یہی آزادی اور ذمہ داری ہی اسے صرف ایک ارتقائی مخلوق ہونے کی بجائے ارتقا کے ذمہ دار ایجنٹ اور مزید ارتقا کا محافظ قرار دیتی ہے۔ کیونکہ یہ مکان و زمان سے اوپر اٹھ سکتا ہے۔ اور اس کے وجود میں جڑ اور چیتن۔ جبر و اختیار۔ محدود اور غیر محدود۔ نامکمل اور مکمل کی انتہائیں ملتی ہیں

عمل ارتقا نامکمل سے مکمل کی طرف بڑھتا ہے زمانہ میں۔ مگر کمال سدا نقطہ حال میں موجود ہے انسان گویا وہ عنصری وجود ہے۔ کہ زمانہ میں بھی

ہے۔ اگر آج بھی انسان عمل ارتقا کا آخری
پھل ہوتا ہوا بھی نہایت دکھی ہو رہا ہے
تو اس کا مول کارن یہی ہے۔ کہ وہ ابھی
انسان نہیں ہو پایا۔ جاگا نہیں۔ اپنے ارد گرد
نہیں دیکھتا کہ وہ کہاں ہے۔ خود کو اکیلا
اور خالی محسوس کرتا ہے۔ اور اپنے ماحول سے
خوف زدہ ہے۔ کیونکہ اسے ہر سُو غیر ہی غیر
دکھائی دیتا ہے۔ اپنے آپ سے کبھی کسی کو
ڈر نہیں لگتا۔
اگیان اندھکار میں اپنے کو تچھ۔ دین، دربل
اور کنگال مان کر وہ گیان اور پریم کی بجائے
قبضہ کے ذریعے اپنی کمی کمزوری اور چھوٹائی کی
کسر نکالنا چاہتا ہے۔ خود سچ جاگ کر اپنی
اندرونی دولت و عظمت پانے کی بجائے وہ
اردگرد کی چیزوں اور لوگوں پر قابض۔ غالب
اور حکمران ہونے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اور
نہیں جانتا کہ کسی بھی شے یا فرد کا مالک بننا
غلامی ہے۔ بیرونی ملکیت اندرونی افلاس پیدا کرتی
ہے۔ اور دوسروں پر قابو پانا بھئے کو جنم دیتا ہے

(۹)

نرمم - نراہنکار

(میں اور میرا پن سے آزاد)

ایش اُپنشد میں کہا گیا ہے۔ کہ سب میں ایک دیکھنے والے کے لئے موہ اور شوک کہاں ہوں گے؟ سب میں ایک دیکھنا ہی ستیہ درشن ہے اگر انسان سب کچھ دیکھتا ہُوا اس میں ایک نہیں دیکھ پاتا۔ تو انسانی اعتبار سے اندھا ہی ہے۔ کیونکہ قدم قدم پر ٹھوکریں لگتی ہیں اور اس کا جینا ہی رگڑ اور قید ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اندھیرا خود ہی قید ہے اور روشنی آزاد کرتی ہے

انسان کے لئے سب سے بڑھ کر تاریک اندھیرا اگیان ہے۔ کیونکہ اگیان کی حالت میں ہم نظر رکھتے ہوئے بھی دیکھتے نہیں۔ سُنتے ہوئے بھی سُنتے نہیں اور جانتے ہوئے بھی جانتے نہیں

ستیہ درشن زندگی کی رات کو دِن میں بدلتا ہُوا نرک کو ہی سورگ میں تبدیل کر دیتا

کے ساتھ رگڑ بھی بڑھتی جاتی ہے۔ یہ ممتا ہی ہے۔ جو سنسار کو نرک بنا دیتی ہے۔ مگر یہاں پر سوال اٹھتا ہے کہ ممتا کہاں سے آئی۔؟ دراصل ممتا بھی ہمارا روحانی حق ہے۔ کیونکہ سب کچھ ایک اور اپنا ہی ہے۔ ساری زمین ہی ہماری مشترکہ ملکیت ہے۔ کائنات وجود واحد ہے۔ مگر اگیان میں ہم اپنی اس مشترکہ دولت کی چھینا جھپٹی میں لگ رہے ہیں۔ سنسار میں کوئی کمی نہیں۔ مگر ہماری اپنی ممتا نے ہمیں کنگال بنا رکھا ہے اور جو امیر کہلاتے ہیں وہ سب سے بڑے کنگال ہیں۔ کیونکہ ان کی ہوس بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ جب ستیہ گیان کے اجالے میں ممتا نہ رہے گی۔ تب سبھی افراد اور اقوام ایک دوسرے کے انگ ہوکر ہر ایک اپنی ضرورت کے مطابق لیتا ہوا اپنی قابلیت کے مطابق دینے لگے گا اور تب ہماری حیوانیت کو دبانے کے لیے پولیس۔ جیلخانوں اور پھانسیوں کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ یہ گیان اندھکار ہے جو ہم سب کو آپس میں لڑا رہا ہے۔

کسی پر قبضہ اپنی محدودیت ہے اور کسی پر برتری اپنی کمتری ہے۔ سچی دولت وہ ہے جو اپنے اندر ہو۔ اصلی راجیہ وہ ہے جو اپنے پر ہو۔ حقیقی خوبصورتی وہ ہے جو اپنی بناوٹ اور صحت میں ہو۔ زندگی میں جس قدر ممتا ہوگی۔ اسی قدر شوک ہوگا۔ انسان دکھ سے سکھ کی طرف دوڑتا ہے۔ مگر ملتا دکھ ہے اور سکھ سے پرے بھاگتا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اگیان میں صحیح راستہ دیکھ نہیں پاتا۔

قبضہ۔ حکومت۔ جداگانہ ترقی زندگی کو صحت اور خوشی نہیں دے سکتے۔ کسی شے یا فرد پر قبضہ یا حکومت جماتے ہی ہم ایک اور کل سے کٹ جاتے ہیں اور شریر کے کٹے ہوئے انگ کی مانند خود دکھی ہوتے اور دوسروں کو دکھ دیا کرتے ہیں۔ دوسروں کو ڈرانے اور دھمکانے والا شخص کبھی بڑا نہیں ہو سکتا۔

خود ممتا پیدا کرتا ہے۔ اور جس قدر ممتا (میراپن) کا دائرہ پھیلتا ہے۔ ہم اپنی روحانی صحت کھو کر سوچتے چلے جاتے ہیں اور دوسروں

کہ رہی ہے۔ فرق ہے تو گیان اگیان صحت اور بیماری، بینائی اور نابینائی کا ہے۔ جب ہم اپنی اصلی "میں" کو نہ پہچان کر اپنے شخصی وجود کو "میں" سمجھنے لگتے ہیں۔ تب گویا ہماری نورانی ذات پر گرہن لگ جاتا ہے اور سورج اپنی چمک دمک رکھتا ہُوا بھی تاریک دکھائی دینے لگتا ہے۔

"انا لحق" اور "اہم برہماسمی" سے پرے کوئی سچائی نہیں۔ فرق اتنا ہے کہ ع ایک نقطہ لگنے سے غین ہو جاتی ہے۔ جب "میں ہوں" پر "یہ" کا نقطہ لگا کر اسے "میں یہ ہوں" کا رُوپ دیا جاتا ہے۔ تو آتم انوبھوتی ہی اہنکار کا رُوپ دھارن کر لیتی ہے اور سب سے بڑی سچائی ہی سب سے بڑا جھوٹ ہو جاتی ہے۔

مگر ممتا بھی کیسے کٹے گی۔ جب تک کہ جُداگانہ محدُود "مَیں" کا ڈھونگ موجُود ہے؟ صحیح بات تو یہ ہے کہ "ایک سب ہے اور سب ایک ہے۔" مگر ہمارا موجودہ نظام جو اگیان اندھکار کی پیداوار ہے۔ ایک دُوسرے سے جُدا کرنے والے اہنکار کا ڈھونگ پیدا کرتا ہے۔ دراصل ساری کائنات جسم واحد ہے۔ اور کُل نوع انسان اِس کا ایک عضو شریف ہے اور سبھی افراد اِس کے گوشت ہیں۔ ہمارے باہمی تعاون میں ہماری صحت۔ بھلائی اور خوشی ہے اور ہمارے باہمی مقابلہ میں ہم سب کی زندگی ہی ایک گونہ وبال اور قید ہو رہی ہے۔ ہمارے درمیان خودی کی وبا پھیل رہی ہے۔

مگر یہ خودی بھی کس طرح پیدا ہوگئی؟ خودی بھی نہایت بڑی رُوحانی سچائی رکھتی ہے۔ "میں ہوں۔" سے بڑی کوئی سچائی نہیں ہے۔ ہم سب کی حقیقی "مَیں" ہی خدا ہے۔ ایک ہی ذات سبھی افراد میں اہنگ۔ اہنگ

متعلق جتنے بھی تصورات ہیں۔ وہ انسانی ایجادات ہیں۔ انسان خود ہی اپنی حقیقی ذات میں نتیہ۔ شدھ۔ بدھ اور مکت پربھو ہے۔ اس کا کوئی پربھو نہیں۔ اگیان میں یہی "میں" خودی ہو جاتی ہے اور گیان ہونے پر بھی یہی خودی خدا ہوتی ہے۔

ہم سب کا پیدائشی حق ہے کہ ہم اعلان کریں کہ "سب کچھ اپنا ہے۔ میں ہی سب کچھ ہوں۔" مگر شخصی قبضہ سے سنسار کو اپنے پرائے میں بانٹنا اور اپنے کو سارا جگت نہ جان کر ایک جداگانہ شخص مان لینا سب سے بڑی گمراہی ہے۔ اسی گمراہی نے جس کے لئے ہم خود ہی ذمہ دار ہیں۔ زندگی کی بے بہا نعمت کو ایک بڑی لعنت کی صورت دے رکھی ہے۔ ممتا اور اہنکار اپنے حقیقی معنوں میں سچ ہیں۔ مگر اپنی فرضی صورت میں بڑے سے بڑے جھوٹ ہیں۔

جب ممتا اور اہنکار کے بھرم مٹ کر ان کا ستیہ جانا جائے گا۔ تب ہی سنسار پرم سورگ ہو جائے گا۔

"میں" سب کے اندر ایک اور سچدانند سوروپ ہے۔ مگر جب اس "میں" کو اپنی شخصیت سے منسوب کر کے اسے دوسروں سے جدا سمجھا جاتا ہے۔ تب یہی بندھن ہو جاتی ہے۔ "میں ہوں" کہنا انکار نہیں ہے۔ ہاں "میں یہ ہوں" اور "وہ نہیں ہوں۔" سمجھنا انکار ہے۔ اگیان ہی بندھن روپ ہے۔ اور سنسار میں سبھی کلیشوں کا مول کارن ہے۔

سنسار میں سبھی چیزیں اپنی ہیں۔ استعمال کی خاطر اور ضرورت کے مطابق۔ کوئی شے بھی اپنی نہیں۔ قبضہ اور ملکیت کی صورت میں۔ سب کچھ ہی اپنا اور سب کا ہے۔ دوسروں سے الگ میرا نہیں ہے۔

اسی طرح "میں ہوں" سے پرے کوئی ستیہ نہیں ہے۔ گھٹ گھٹ میں یہی تو امرت اور جیوتی ہے۔ مگر ہم اسے جداگانہ اور شخصی جان کر اسی امرت کو وش اور اسی پرم جیوتی کو گھور اندھکار میں بدل ڈالتے ہیں۔

اندرونی "میں" کا نقطہ کھو کر خدا کے

پُورن اکھنڈ اور اشیش ہے۔ ہمیں ایک خزانہ مل گیا ہے۔ جو کبھی ختم ہونے کا نہیں۔

مگر مشکل تو یہ ہے۔ کہ دُنیا میں انیک مذاہب ہیں اور ہر مذہب اپنے پاس ایسا گیان بھنڈار رکھنے کا مدعی ہے۔ جو صرف اسی کے ہی پاس ہے اور جس پر اضافہ کرنا ناممکن ہے۔ اور اس لئے وہ دوسروں کو گیان دینے کا تو حق رکھتا ہے مگر اُن سے لینے کی کبھی حاجت نہیں رکھتا۔ اس لئے اہلِ مذہب غیر مذاہب کو روشنی دینے کی اُمنگ تو رکھتے ہیں۔ مگر اِن سے کچھ بھی لینے یا سیکھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

اور یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے۔ کہ جب عقل۔ ارادہ اور تخیل باہم مل کر کسی بھی کتاب یا کلام کی برتری ثابت کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ تب وُہ فضول سے فضول باتوں کو نہایت پُر اسرار حقائق کی شکل دے سکتے ہیں۔ کسی بھی دھرم شاستر میں کوئی بات جتنی بھی نامعقول اور متناقض ہو۔ اس کے پرچارک اسے اتنی ہی اتی مانس (فوق البشر) سچائی

(۱۰)

ستیہ شاستر

مذاہب دعوے کرتے ہیں۔ کہ ان کے پاس ایک ایسا کلام موجود ہے۔ جو انہیں اپنے ہادی کی راہ سے بھگوان کی طرف سے ملا ہے۔ اور جس میں وہ سبھی کچھ پایا جاتا ہے۔ جو جاننے کے لائق ہے۔ اور کبھی جانا جا سکتا ہے۔ ستیہ کی کھوج درکار نہیں۔ ہمیں تو اپنے مقدس دھرم شاستر کے مطالعہ سے ستیہ گیان پراپت کرنا ہوگا اپنے اندر یا باہر سے کہیں اور کبھی نہیں۔ کیونکہ منشیہ خود بخود ستیہ کا آوِشکار کرنے کو سمرتھ نہیں۔ یہ تو بھگوان کی دین ہے۔ جو ہمارے تمام سوالات زندگی کے حل کے لئے سدا ہی کافی ہے ہم بھول سکتے ہیں۔ مگر ہمارے شاستر میں بھول کا امکان ہی نہیں۔ ہم محدود ہیں۔ مگر شاستر کا گیان غیر محدود ہے۔ اور یہ گیان ہر پہلو سے

جانا ظاہر کرتا ہے کہ انسان ستیہ شاستر کی
ضرورت کو محسوس کرتا ہے۔ اس کی خواہش ہے
کہ اسے ستیہ گیان کا اکھٹ بھنڈار مل جائے
اور ہر ایک مذہب کا بھی دعوےٰ ہے۔ کہ اس
کا بانی لاثانی اور بےنظیر ہے۔ اس کا ہم پلہ نہ
کوئی ہوا ہے۔ نہ ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ نیز مذہب
کہتا ہے۔ کہ اس کی مقدس کتاب کے روبرو
انسانی عقل ایسی ہی ناچیز ہے۔ جیسے کہ سورج
کے روبرو موم بتی۔ اور وہ کتاب یا کلام ہی
سچائی کی آخری سند ہے۔ اسے مان کر سمجھنا
تو ہوگا۔ مگر اس پر نکتہ چینی یا شک کفر
ہے۔ ہمارا فرض صرف بے چون و چرا تقلید
ہے۔ اس تعلیم کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ
کسی بھی مذہب کے پیروکار خود سوچنے یا
دوسروں کو سمجھنے کی قابلیت کھو کر دنیا میں
مذہبی فرقوں کا تفرقہ پیدا کرتے ہیں۔

بے شک ستیہ انت اور اکشے ہے۔ اور
اسے پائے بغیر ہم انسان ہی نہیں ہو سکتے
پیدائش سے انسان ہو کر بھی عمر بھر حیوان

تبلاتے ہُوئے کہتے ہیں۔ کہ اگر اب ہماری تیز تریں عقل بھی اس کی معقولیت نہیں دیکھ سکتی تو یہ ہماری عقل کا قصور ہے اور جب یہ مزید ترقی کرے گی۔ تو اصلی سچائی سمجھی جا سکے گی۔

شردھا (عقیدت) ایک حد تک تو درکار ہے۔ کہ ہم اسی کتاب یا شخص سے ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جس سے فیض پانے کی توقع ہو۔ مگر اس جذباتی حد سے ذرا آگے بڑھتے ہی وُہ اندھاپن ہو جاتی ہے۔ تب ہم جو کچھ شردھا سے پڑھتے سُنتے ہیں۔ اسے جانچے پرکھے، تولے بنا ہی مانتے چلے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ پھر ہمارا دھرم شاستر ہماری اپنی آلوچنا شکتی کو بالکل کند کر دیتا ہے اس قسم کی غیر معتدل شردھا جگاتی نہیں۔ سلاتی ہے۔ اٹھاتی نہیں گراتی ہے۔ تقلید سکھاتی ہے۔ تخلیق و تجدید کبھی نہیں۔ انسان کو پربھو بنانے کی بجائے کسی کا داس بنا دیتی ہے۔

مگر لوگوں میں ایسی اندھ شردھا کا چھاپا

ستیہ پراپتی کے لیئے وِشواس درکار ہے۔ اپنے آپ (اپنی شکتیاؤں) میں اور سرشٹی کے اٹل نیموں میں جو کبھی دھوکہ نہیں دیتے اور جن کے آگے گڑگڑانے یا یاچنا کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ صرف دماغ کی بیداری اور دِل کی صفائی (بے غرضی) مطلوب ہے۔ تب صاف صاف دیکھا جائے گا۔ کہ ہم سب کے سب، سدا اور سروتر ہی، ستیہ میں جیتے۔ حرکت کرتے اور ہستی رکھتے ہیں۔ ستیہ شاستر کبھی اور کسی اِنسانی زبان میں بند نہیں ہُوا۔ یہ تو ایک۔ ادّیت اکھنڈ۔ اننت۔ پُورن برہم کی خاموش باتی ہے۔ اِس میں کسی بھی شور یا جھگڑے کی گنجائش نہیں ہے کتابوں میں جتنا بھی گیان وِگیان پایا جاتا ہے۔ وُہ نیچر اور ہماری آتم جیوتی کا ہی عکس ہے۔ پرکرتی آتما (پرش) پر آورن نہیں۔ اِس کا چمتکار ہے۔ چراغوں کی روشنی کارآمد تو ہوتی ہے۔ مگر سُورج کی مانند جیون پرد نہیں ہے۔ اِسی لیئے عِلمی ادبیات مفید ہیں۔ مگر وہ جیوتی اور سوندریہ کے اکشے سروت نہیں ہیں۔

ہی رہتے ہیں - مگر ستیہ کا کسی ایک کتاب
میں سمانا ایسا ہی ناممکن ہے - جیسے کرہ ہوائی
کا کسی ایک بوتل میں بند ہونا - ستیہ، اننت
اور اکھنڈ ہمارے انتر آتما اور بیرونی جگت
میں موجود ہے - بلکہ نت نئے سے نئے روپ
میں پرکٹ ہو رہا ہے - کتابِ فطرت اپنی قدرتی
زبان میں ہر دم لکھی جا رہی ہے - ہر ایک
فرد پرم ستیہ کا ہی مرکز ہے اور ساری
کائنات میں ستیہ ہی مورتی مان ہے -

ستیہ کسی خاص مذہب یا قوم کا اجارہ
نہیں ہے - ستیہ سرودتر اور سدا ہے - اسے
پانے کے لئے ہمیں جاگنے کی ضرورت ہے -
صرف تشنگی درکار ہے - تب تو اندر اور باہر
نیچے اور اوپر سے سچائی کے سیلابات بہنے
لگیں گے - ہم سب کے سب ستیہ پرکاش
کے زندہ مرکز ہیں - اور سارا جگت ستیہ
کی ہی پردرشنی ہے - انسانیت ایک ہے
دھرم ایک ہے - سچائی ایک ہے - بھلائی ایک
ہے - انیک یا بھید اگانہ ہرگز نہیں -

اندر جانا تو جا سکتا ہے۔ مگر وہ درشیہ روپ میں
دکھائی نہیں دیتا۔ اگر ستیہ کا درشن منظور ہو ۔ تو
حواس کو بند کرنے کی بجائے کھول کر دیکھا کرو آتم
جیوتی میں ۔ ستیہ تو نظر کی مانند ہے۔ جو سب
کچھ دیکھتی دکھاتی ہوئی کبھی کسی کو دکھائی نہیں دیتی
اور جس کا انوبھو صرف اپنے آپ سے ہو سکتا ہے ۔
اور کسی حسی یا ذہنی اوزار (ویشتر) کے ذریعے نہیں
اندرونی ستیہ اور بیرونی جگت دو چیزیں نہیں
ہیں ۔ ان میں تمیز تو کی جا سکتی ہے۔ مگر ان کی
جدائی ممکن نہیں ہے۔ ستیہ ساگر ہے تو جگت اس
کی ترنگ لیلا ہے ، معنی ہے تو جگت اس کا اظہار
ہے ، خوشی ہے تو جگت اس کا تبسم یا خندہ ہے
جان ہے تو جگت اس کی دیہہ ہے۔ بیج ہے۔ تو
سارا درشیہ جگت اس کی مخفی شانوں کی بہار ہے
ستیہ (آتما) اور ستیہ پرکاش (جگت) دونوں ہی
انادی اور اننت ہیں ۔

سبھی مت ستیہ کی کچھ جھلکیں ہی دکھاتے
ہیں۔ خود ستیہ کی طرف نہیں جھکاتے ۔ اپنے
پیروکاروں کو تقلید کے لیے لاٹھی پکڑاتے ہیں

مجھے تو اپنے روبرو ایک اپورب یگ کا آرمبھ دکھائی دیتا ہے۔ آج تک جو کچھ جانا گیا ہے۔ وہ آنے والی روشنی کے سامنے، ہیچ اور ناچیز ہے اب تک ہم مطالعہ کتب کی صورت میں عقلی بُت پرستی میں ہی مصروف چلے آئے ہیں۔ ستیہ کی طرف براہِ راست دیکھنا نہیں سیکھا۔ پرکرتی کو جڑ اور پران ہین مانتے رہے ہیں۔ مگر اب ہماری آنکھیں واقعیت کی طرف کھل کر دیکھنے لگی ہیں۔ کہ "حقیقت واقعیت میں جیتی ہے۔" اور اگر کوئی ابدی اور عالمگیر مقدس کتاب ہے۔ تو یہی کائنات ہے۔ جو دن رات ہمارے روبرو کھلی اور ہماری توجہ کی منتظر ہے۔ اور سبھی روایتی الہامات چند حروف ہی ہیں۔ بقول شمس تبریزی ؎

ہرچہ یابی در جہاں یک نسخہ باشد یک ورق
زاں کتب خانۂ جہاں غیر از کتابے ہست نیست

"تو جہاں میں جو کچھ بھی دیکھ پاتا ہے۔ وہ جہان کے کتب میں سے ایک کتاب کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مگر یہ ایک اہم صداقت ہے۔ کہ ستیہ اپنے

(۱۱)

سرشٹی کی بجھارت

یہ سرشٹی ایک بجھارت ہے۔ جسے بوجھنے کے لئے انسان وجود میں آیا ہے۔ اور صرف اسے ہی اس بجھارت کی خبر ہے۔ ساری موجودات میں اور کسی چیز یا جاندار کو نہیں۔

قدیم زمانہ سے انسان اسی پہیلی کو بوجھنے کے لئے کوشاں رہتا چلا آیا ہے۔ اور جب تک یہ حل نہ ہو۔ انسان منتشر اور گھبرایا رہتا ہے اور اگرچہ وہ باہر سے کئی طرح لذات حاصل کر سکتا ہے۔ مگر خود ہونے، جینے اور جاننے کا سہج آنند نہیں پا سکتا۔

سرشٹی ہمیں صرف خوراک۔ لباس اور مکان ہی مہیا نہیں کرتی۔ یہ ہماری ضروریات کو پورا کرنے کے بعد ہمیں چیلنج دیتی ہے۔ کہ یا تو میری بجھارت بوجھو، ورنہ میں چین نہ لینے دوں گی۔

دیکھنا نہیں سکھاتے وسجدوں سے گبڑا کر دیتے ہیں۔ مگر اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں کرتے۔ غلام بناتے ہیں۔ بندھن نہیں کاٹتے۔ رنگوں کو روشنی کا نام دے کر یک نظری سے دُور رکھتے ہیں۔ ستیہ درشی سب متوں سے اُوپر دِراجتا ہے۔ اگر سُورج طلُوع ہونے پر بھی چراغ درکار ہوں۔ تو وُہ سُورج نہیں۔ بلکہ اس کا کوئی دھوکہ ہی ہے

پس ہمارا ستیہ شاستر ایک عالمگیر اوَر ابدی ہے اَور قدرتی زبان میں دمبدم نئی سے نئی خوبصورتی سے لکھا جا رہا ہے۔ ستیہ شاستر کا مطالعہ سب بندھن کاٹتا، ہنیتوں کو دُور کرتا اَور پرمانند دے کر جنیون کو سپھل کرتا ہے۔

سے سنیاس پر ہی زور دیا جاتا رہا ہے۔
اب جبکہ موجودہ سائنس پرکرتی کے نئے
سے نئے راز کھول کر ہمارا جینا آسان بنا رہی
ہے۔ ہم " یہ کیا اور کیوں ہے۔" کے سوال کی طرف
سے ہمیشہ کے لئے سوئے نہیں رہ سکتے۔ ہمیں
صرف انتر مکھتا اور سمادھی میں ڈوبنے کی
بجائے اپنے حواس کو جو ہمارے بہج سوتر گ
دوار ہیں اور ذہن کو جو ہماری اپنی بیوتی ہے
سرشٹی کی طرف کھولنا ہوگا۔ اپنی توجہ کو :अहं
(وہ) سے "اِدم" (جگت) کی طرف موڑنا ہوگا۔
دوسرے لفظوں میں ہمیں جاگنا اور جینا ہوگا
اس "وگیان یگ" میں دیر اگیہ۔ تر سکار۔
گلانی اور اداسینتا کے لئے کوئی ستھان نہیں
رہا۔ اب تو اس سرشٹی کو سمجھنا اور بدلنا شور
کو راگ۔ طاقت کو بھلائی۔ حرکت کو آنند نرتیہ
اور کلیشوں کو پرمانند میں روپانترت کرنا ہوگا۔
مگر یہ اپورب کرانتی تب ہی ممکن ہو سکتی
ہے۔ جبکہ ہم "میں کون ہوں" کے پرشن کے
ساتھ "یہ کیا اور کیوں ہے۔" کے سوال کو بھی

سچ مچ یہ سوال زندگی کا آخری سوال ہے۔ اِس کے حل ہوتے ہی ساری کائنات شفاف اور زندگی نورانی اور پُرسرور ہو جاتی ہے۔ یہی تو ایک سچی اور برترین خوشی ہے۔ جو صرف اِنسان کے حِصّے میں آ سکتی ہے۔

اگر ہم خود شناسی حاصل ہونے پر ہم اپنے کو ست چت آنند سروپ۔ نتیہ۔ شُدھ۔ مکت۔ نِرودکار کا ساکشات کار کر بھی پائیں۔ تو بھی جیون سمسیا کا حل ادھورا رہ کر ہمیں پُورن آنند سے کچھ دُور ہی رکھے گا۔

روایتی آتم گیان "میں کون ہُوں" کے سوال کو حل کرتا ہے۔ اور "یہ کیا اور کیوں ہے" کے ویسے ہی اہم سوال کو گومگو مایا کے ماتھے مڑھ کر باتوں باتوں میں ٹال دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک ویدانت نے ہمیں ترک و فرار، مستی اور محویت کی تعلیم تو دی ہے۔ مگر اِس پرتھوی پر ہی سورگ نرمان کرنا اور جیتے جی پُورن آنند پانا نہیں سکھایا۔ ورنہ ترک و فرار کی بجائے ابھی اور یہاں جینے پر تاکید ہُوا کرتی۔ صدیوں

دونوں جُداگانہ تتو ہونے کی بجائے ایک ہی حقیقت کے دو پہلو یا دو قطب ہیں۔ بجلی یا مقناطیس کے دو متضاد قطبوں اور زندگی کے جنسی پہلوؤں کی مانند۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے تعلق میں ہستی اور معنی رکھ سکتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کو ثابت کرتے اور لازمی قرار دیتے ہیں۔ اِن دونوں پہلوؤں کے صحیح رشتہ میں ہی زندگی کا توازن ہے اور سرور۔ سوندریہ ہے اور سپھلتا۔ اگر منظور سراسر موہوم ہے۔ تو ناظر کی نظر کیا رئیت رکھے گی؟ اور اگر صرف منظور (مادہ) کو ہی وجود مانا جائے تو ناظر کے سوا اِس کی ہستی کا ثبوت کیا ہوگا۔

آتما اناتما۔ درشٹہ درشیہ۔ رُوح مادہ کی ایک دوسرے سے جدائی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مضر یا مُہلک وہم نہ ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ "برہم ستیم جگت متھیا" یکطرفہ صداقت ہے جو صداقت ہوکر بھی بے معنی اور دیرتھ ہے۔

وہ آتم گیان ہی کس مرض کی دوا ہے۔ جو جگت کی واقعی۔ پُرمعنی، نہایت حیرت انگیز اور پُر اسرار ہستی کو باتوں میں اُڑانے کا تین کرتا ہے؟

حل کرتے ہوئے آتما اور جگت۔ درشٹا اور درشیہ چیتن اور جڑ، ایک اور انیک، مرن شیل اور امر۔ کال اور اکال کے سمبندھ کو سمجھ پائیں گے اس سے پہلے کبھی نہیں۔

اس آخری بُجھارت کے حل کا اشارہ ہمیں آئے دن ملا کرتا ہے۔ مگر ہم تجربات تو چاہتے ہیں۔ مگر تجربات کے معنی یا اشارات کو پانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لئے زندگی بے معنی اور بے سُود معلوم ہوتی ہے۔

ہمارے روزمرہ کے خوابات ہمیں اشارہ دیتے ہیں۔ اگرچہ ثبوت دیئے بغیر کہ خواب کی دُنیا میں درشٹا یا ذہن ہی خواب رنچ کر اپنی گہرائیوں کو دیکھا کرتا ہے اور کسی شئے کو نہیں۔

خواب کو بے معنی خیال کرنا پرلے درجے کی بے سمجھی ہے۔ یہ خوابات ہی ہیں۔ جو ہمیں اپنے وجود کی ان گہرائیوں کا پتہ دے کر حالاتِ بیداری کے اصلی راز بتلایا کرتے ہیں۔

سنسار میں دو بُنیادی تتو ہیں۔ جن کے سوا یا جن سے پرے اور کچھ نہیں ہے۔ یہ

نہیں ہے۔ اِس کے اجزا میں اُتپتی ۔ ستھتی ۔ پرلے دکھائی دیتی ہے۔ مگر کُل (بھوما) سدا سروتر، اکھنڈ اور امر ہے۔ اِس بھارت کا حل "ستیہ درشن" کے دو لفظوں کے اندر موجود ہے۔ یعنی جگت "ستیہ" کا اپنا سوبھاوک پرکاش ہے خود بخود اور کسی بیرونی غرض یا نیم کے ماتحت نہیں۔

بس ستیہ ہے اور جگت ہو رہا ہے۔ روشنی ہے اور چمک رہی ہے۔ شکتی ہے اور ناچ رہی ہے۔ جیون ہے اور رچنا ہو رہی ہے۔ آنند ہے۔ سارے جگت میں امرت برسا رہا ہے۔ بیج ہے۔ اور برکش میں اپنی بہار دکھا رہا ہے۔ جو ابدیت میں ہے وہی زمانہ میں ہو رہا ہے۔ جو اندر ہے وہی باہر ہے۔ جو یہاں ہے وہی وہاں ہے۔ جو درشٹا ہی وہی درشیہ ہے۔ جو چیتن ہے۔ جڑ اسی کا ہی اپنا روپ ہے اور بس۔

وہ طبیب کیا ہے۔ جو خود مرض کی ہستی سے منکر ہو جاتا ہے؟ وہ تو مرض کا معالج ہونے کی بجائے موت کی غار میں ڈبوتا ہے!

خواب تو ایک اشارہ ہے نہ کہ ثبوت حقیقی راز وحدت تب کھلتا ہے جبکہ ہم اپنے حواس اور ذہن کو کائنات کی طرف پوری طرح کھول کر گہری دلچسپی کے ساتھ ہر شئے، ہر حالت، ہر صفت اور واقعہ کی تحلیل کرتے ہوئے دیکھ لیتے ہیں جو کچھ بھی درشٹا (آتما) کے روبرو بھاستا ہے وہ ہستی۔ علم اور سرور کی صورتوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ استی۔ بھاتی۔ پریہ آتما کے سوبھاو ہی ہیں۔ اور کسی بھی تجربہ کی تہ میں ہونے، بھاسنے اور آنند کی جھلک کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ کل ظہورات ایک ہی جل کے ترنگ۔ ایک ہی جیوتی کے رنگ اور ایک آنند کا راگ اور نرت ہیں اور جگت کے سمبندھ میں "کیا" کا اکاٹیہ اُتر اسی تتو وچار میں پایا جاتا ہے۔ اور جگت کیوں ہے اس کا اُتر یہ ہے کہ یہ ستیہ برہم کا اپنا سوبھاو ہے۔ اسی لئے جگت کا بھی کوئی آدی انت

لئے کھلی آزادی چاہتے ہُوئے بھی خود اِن تحریکات کے غلام ہی رہتے ہیں۔ نیز وُہ خوف اور لالچ کے بس میں دُوسروں کی غلامی کے لئے سدھائے جا کر اپنی فطری آزادی بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ مگر اِنسان ہے۔ جو خود جاگ اور اپنی ممکنات کو وجود میں لاکر اپنے وجُود اَور ماحول کو بدل سکتا ہَے۔ جانداروں میں اپنے ماحول کے مطابق بدلنے کی قابلیت تو پائی جاتی ہَے۔ مگر صرف اِنسان کو ہی یہ شرفِ خاص حاصل ہَے۔ کہ وہ ماحول کو اپنے خیال اَور اِرادہ کے مطابق بدلنے کی قدرت رکھتا ہَے۔ اور اِس لئے جہاں دُوسرے جاندار صرف مخلوقات ہیں۔ وہاں اِنسان اِس زمین پر خالق ہونے کی اہلیت رکھتا ہَے۔

جاگتا ہُوا اِنسان اپنے وجُود اَور ماحول پر آلوچنا کرتا ہُوا انہیں اپنے اندرونی آدرش کے انوُ روپ بدل سکتا ہے۔ سُورات اَور سمراٹ ہونے کی اُمنگ رکھتا ہَے۔ وُہ صرف اپنی ذات میں آزادی پانے پر سنتشٹ نہیں رہ سکتا کیونکہ اِسے صرف آزادی کے لئے آزادی مطلوب

(۱۲)

پوری سچائی ہی پوری آزادی دے سکتی ہے

ہر ایک جاندار آزادی چاہتا ہے۔ لیکن انسان صرف آزادی پر سنتشٹ نہ ہوتا ہوا پوری آزادی چاہتا ہے۔ اپنے وجود کے لئے کسی بیرونی رُکاوٹ یا قید کا نہ ہونا آزادی کہلاتا ہے۔ مگر خود اپنے وجود کی محدودیت اور دوسروں کی جداگانہ ہستی رکھنے کے وہم سے آزادی وہ مکتی ہے۔ جو صرف انسان ہی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اس روحانی آزادی پانے پر اگر وہ اپنی — غیر محدود شکتیاؤں (بدھی۔ پریم۔ کلپنا۔ اچھا) کو پتھا سمجھ وِکست کرتا ہوا ان کا اپنے جیون میں وشو کلیان کے لئے پریوگ کرنے کا جیون نہیں جیتا تو اس کی روحانی آزادی کبھی ادھوری ہی رہے گی۔

دوسرے جاندار فقط اپنی طبعی تحریکات کے

عالمِ خواب میں دیکھا کرتا ہے۔ اِسی طرح غافل
اِنسان بھی یہی خیال کرتا ہے کہ وُہ جگت کی ایک
تُچھ انش ہے۔ اور نہیں جانتا کہ وُہ آپ ہی تو
سارا جگت ہے۔ آنکھ اور سُورج۔ معدہ اور غذا
پھیپھڑے اور ہوا، پِنڈ اور برہمانڈ اس کی
حقیقی ذات سے اور اِس کے اندر ہی ہیں۔ ذات
میں ہی ناظر و منظور، عالم اور معلوم۔ محب اور
محبُوب کا تعلق ہے۔ اُپنشد میں ذات کو اِس
لیئے "امرت ستیو" کہا گیا ہے۔ ذات میں ہی
ہم ایک دُوسرے سے بیوہار کرنے کے قابل ہوتے
ہیں۔ یہی وُہ سُوت ہے۔ جس میں سارا جگت
مالا کے سمان پر دیا ہُوا ہے۔

اِنسان بھی حیوانات کی مانند موت سے ڈرتا
ہے۔ جب تک کہ وہ اپنے آپ میں نہیں جاگتا
اور اسی لیئے اِس کا مذہب بھی خود سُپردگی۔ پناہ
گیری اور عجز و نیاز کا ہی مذہب ہوتا ہے۔
خود اعتمادی اور بے خوفی کا نہیں۔

اِنسان بھی موت سے ڈرتا ہے۔ کیونکہ وُہ
اپنے آپ میں بیدار نہیں ہو پایا اور اِس لئے

نہیں ہے۔ آزادی تو اس کی شرطِ حیات ہے مگر تخلیق و تجدید کے لئے۔ تب ہی جیون مُکتی معنی حاصل کرتی ہوئی جینے کو سپھل بناتی ہے۔ کیول الیپہ اور اسنگ رہتے اور اپنے کو اکرتا ابھوکتا ماننے میں جیون کی چرِتارتھتا کہاں ؟ - زِندگی جینے کے لئے ہے۔ خود زندگی اور اس کی ذِمہ داریوں سے چھٹکارہ پانے کے لئے نہیں۔ صِرف وُہی افراد اور اقوام چھٹکارے یا خودمستی کی مُکتی چاہتے ہیں۔ جن پر ذہنی اور عصبی پیری اور تکان غالب آ چکے ہیں۔ اور جنہیں جینے میں کوئی دِل چسپی نہیں رہ گئی۔

لیکن جب تک صحیح تعلیم اِنسان کو اِس کی اپنی ذات اور ممکنات میں بیدار نہیں کرتی۔ وُہ اپنی اصلی حیثیت سے بے خبر رہ کر ڈر اور لالچ کے ماتحت اپنا ایک خیالی مالک و خالق رچ کر اس کی اطاعت و پرستش میں تسلی ڈھونڈتا ہے اور نہیں جانتا کہ دراصل وُہ آپ ہی غیر شخصی طور سے سبھی کچھ ہے۔ جس طرح سویا ہُوا شخص خواب کو اپنے میں دیکھنے کی بجائے اپنے کو

میں داخلہ پاکر اپنے لئے راحت اور حفاظت کے طلبگار ہوتے ہیں۔ مگر ستیہ گیان ہمیں جس مُکتی سے بہرہ ور کرتا ہے۔ وہ اپنے اندر سے ہی کھِلا کرتی ہے۔ کوئی بیرونی عطیہ ہی نہیں ہوتی۔ ستیہ درشنی پُرش جگت میں جنم مرن سے اِس لئے نہیں ڈرتا۔ کیونکہ وُہ سپرنٹنڈنٹ جیل کی مانند قیدیوں کی بھلائی کے لئے نمودار ہوتا ہے۔

پُورن مُکتی مکان و زمان کی حدود نہیں رکھتی یعنی مُکتی کسی خاص لوک میں یا کِسی وِشیش کال میں محدُود نہیں ہُوا کرتی۔ بلکہ عین زندگی (گیان۔ پریم۔ بھلائی) ہوتی ہے۔ عبادت و اطاعت اِس کے نزدیک نہیں پھٹکتے۔ یہ تو سہج سوبھاوک اور نرنتر آتم پرکاش اور لگاتار بہتا ہُوا آنند پرواہ ہے۔ مُکتی ایک طرح کی روحانی صحت ہے۔ جو جسمانی صِحّت کی مانند اپنے اندر سے ہی نمودار ہوتی ہے۔ کہیں باہر سے نہیں حاصل ہوتی۔ "گیان کے بنا مکتی نہیں" مگر پُورن گیان پُورن مُکتی دیتا ہے

وہ موت کے بعد اپنی برقراری کی گارنٹی چاہتا ہے۔ اور جب وہ چوراسی لاکھ یونیوں کی کتھا سن پاتا ہے۔ تب اپنی بود سے ہی چھٹکارا چاہتا ہے
مگر مکتی وہم نہیں بلکہ تخلیقی زندگی کی شرط ہے۔ مکتی ہی سے تو حقیقی اِنسانی زِندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ کرم۔ بھکتی۔ گیان یوگ تو جیون یا وِدیہ مکتی کا وعدہ کرتے ہیں۔ مگر خود آگہی حال ہی میں جیون سے مکتی کی بجائے جیون کو ہی مکت کر دیتی ہے۔ زندہ نجات تو دمبدم جینے کی شئے ہے۔ مرنے کے بعد کی چھٹی نہیں۔ مکتی کسی طرح کی بخشش یا عطیہ ہونے کی بجائے اپنی جہالت، خودی، خودغرضی اور خوف سے آزادی کے علاوہ جیون کا وِکاس اور سپھلتا ہے۔ مکت پرش صرف ایک فرد ہونے کی بجائے مرکزِ کل ہو کر ابدیت میں جیتا ہے۔ پُورن مکتی یہ ہے کہ اِنسان اطاعت۔ خودسپردگی اور پناہ گیری چھوڑ کر اپنا لیمپ اور اپنا قانون آپ ہو کر وِشو کلیان کے لئے جینے لگے۔
موروثی غلامی کے زیر اثر ہم بارگاہ ایزدی

محدود زندگی کی قیود توڑ کر غیر محدود زندگی کے ساتھ اپنے ہر خیال، خواہش اور عمل میں ایک ہو جانا ہی یتھارتھ مکتی ہے۔ مکتی کا کام ہمارے جیون کو سُول مٹانے کے ستھان میں رُویامبرت کرنا ہے۔

اپنے سے نچلی چیزوں کے لیے جینا بندھ ہے۔ اور اپنے سے اوپر رُوحانی اقدار (ستیہ شو۔ سُندر) کے لئے جینا یتھارتھ موکش ہے

ہم اپنی موجودہ دُکھ بھری حالت سے دو طرح سے نجات پا سکتے ہیں۔ اِس کے لئے منفی راستہ تو یہ ہے۔ کہ اِنسانی لیول سے نیچے حیوانی، نباتی اور جمادی - زندگی کی طرف اُترنے لگیں اور مُثبت طریق یہ ہے کہ ہم اِنسانی اور روحانی بلندیوں کی طرف اُٹھتے چلے جائیں۔

مثلاً پناہ مانگنا۔ خوشامد کرنا۔ قبولیت کے لئے سائل ہونا حیوانی صفات ہیں۔ اِس لیول پر اُترنے والے لوگ دُنیا میں مذہبی تفرقات کو جنم دے کر مادرِ زمین کو اِس کے اپنے بچوں

یہ مُکتی ایک صفاتی حقیقت ہے۔ مقداری نہیں۔ جسے کہ ماپا جا سکے۔

اپنے آپ سے باہر کسی غیر ہستی سے مُکتی یا حفاظت چاہنا یا پرارتھنا اُپاسنا میں لگے رہنا ظاہر کرتا ہے کہ ابھی ہم اپنے حیوان کی غلامی سے نجات نہیں پائے۔ جو شخص اپنے دِل میں کسی کا غلام یا کسی سے خائف ہوتا ہے۔ وہی دُوسروں پر حکُومت کرنے اور اُنہیں ڈرانے دھمکانے کا وطیرہ اختیار کرتا ہے۔ وُہ خود بندھن میں ہونے کے کارن اوروں کو باندھنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔

وہم غیریت سے آزاد ہو کر اور چوطرفہ وکاس پا کر سب کی حقیقی بھلائی کے لئے جینا مُکتی ہے۔ غیریت کا وہم دُور ہوتے ہی حرص خوف شک۔ غم۔ نفرت اور اُلفت کے روگ مِٹ کر اپنے آپ سے نُور و سرُور کے اکھٹ چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ اور ہر سُو اور ہر حالت میں برہم درشن برقرار رہتا ہے۔

(ب)

اُمنگ کا پرتیک ہے۔ کیونکہ جب بیج اپنی ازادی نیند سے جاگنا شروع کرتا ہے۔ وُہ اپنے پردے کو پھاڑ کر زمینی کی تاریک تنگی اور قید سے باہر نکلتا ہُوا تب تک چین نہیں لیتا۔ جب تک کہ وُہ اپنی اندرُونی نشانوں اور بہاروں کو ظاہر نہ کر پائے۔ نیز بیج کو اُگنے کے لئے زمین۔ پانی اور گرمی درکار ہوتے ہیں۔ اِس طرح ہمیں بھی جینے کی سپھلتا کا آنند پانے کے لئے اِس لوک میں جنم درکار ہوتا ہے۔ یہ زمین چوراسی لاکھ یُونیوں کا عظیم جیل خانہ نہیں ہے اور نہ ہی ہماری زمینی عمر ایک طرح سزائے قید ہے۔ جو کُچھ بھی ہمیں مِلا ہے۔ وُہ دراصل جیون سپھلتا کا سادھن ہی ہے۔ ہم یہاں پر نہ تو جلاوطن ہیں اور نہ قیدی۔ ہمارا کارِ زندگی تو اِسی سنسار کو سورگ میں بدلنا ہے۔ اور کُچھ ہونا یا کمانا یا کہیں جانا نہیں۔

لیکن جب ہم اِسی واقعی دُنیا میں بے انداز جہالت، گندگی، بیماری۔ رگڑے۔ بدصُورتی۔ بدامنی کو دیکھتے ہیں۔ تب یہ باور کرنا مشکل ہو جاتا ہے

کے خون سے رنگین کرنے کے لئے ذمہ دار ہیں۔
اور جو لوگ مقابلہ اور مجادلہ چھوڑ کر صرف اپنی ضروریات زندگی کی فراہمی اور قیام نسل کے لئے کوشاں رہتے ہوئے فقط اپنی راحت و حفاظت چاہتے ہیں۔ وہ نباتی زندگی کے مرحلہ پر اترنے والے ہیں۔ اور ان سے بھی نیچے ترنے والے وہ لوگ ہیں۔ جو کسی سادھن یا نشے سے اپنی ہوش کھو کر بیکار اور بے خواہش ہو رہتے ہیں۔ یہ جمادی طبقہ ہے۔
اور اس سے بھی نچلی غار سمادھی یا کسی اور وسیلہ سے اپنی حس و حرکت کو بالکل ہی ختم کرنا ہے۔ اور یہ وہی ابتدائی حالت ہے۔ جو جنم لینے سے پہلے ہمیں ماتری گربھ میں حاصل تھی!
اور یہ لگاتار نیچے کو اترنے کا میلان زندگی میں دلچسپی اور سرگرمی کی کمی اور ساہس ہنیتا کی علامت ہے۔
دوسرا مثبت راستہ زندگی کی ارتقائی بلندیوں کی طرف لگاتار اٹھاؤ کی امنگ ہے۔ بیج اس

مکتی کے لیئے بے چین کر دیتی ہے۔ محدود کا تجربہ ہی غیر محدود کی طرف جگاتا ہے۔ غرض تمام منفی حالات مثبت حالات کو پیدا کرنے کے لیئے ضروری وسائل ہی ہیں۔ بند ہی اپنی بند کو روشن کرتی ہے۔ نیستی صرف آئینہ ہستی ہی نہیں بلکہ شرطِ ہستی ہے۔ محنت اور آرام، حرکت اور سکون ایک دوسرے کے تعلق میں معنی رکھ سکتے ہیں

زندہ روحانیت وِش کو امرت میں بدلنے والی رسائن ہے۔ اور روحانی بیداری اضداد کو ہی ہونرگ رنِدان یکہ ضروری لوازمات دکھاتی ہے کلی نظر سے سب کچھ ہی ٹھیک۔ ضروری۔ بھلا اور سُندر ہے۔ کیونکہ زندگی آنند سے ہے آنند کے سہارے قیام رکھتی ہے۔ اور آنند کا ہی رُخ رکھتی ہے۔

پس پُورن مکتی نے نہیں وِکاس ہے۔ سکڑنا نہیں شگفتگی ہے۔ سونا نہیں جاگنا ہے مٹنا نہیں۔ بلکہ کچھ ہونے کی محدودیت سے نکل کر سب کچھ ہونے کی آزادی ہے۔ صرف

کہ یہی نرک سورگ میں بدلا جا سکتا ہے۔ اور ہمارا تخیل آکاش میں اور مرنے کے بعد بیکنٹھ سورگ، دویہ لوک اور پرم دھام کے نقشے رچنے لگتا ہے۔ مگر زندگی کی عظیم سچائی یہ ہے۔ کہ تمام منفی اور ناخوشگوار حالتیں مثبت اور خوش گوار صورتیں اختیار کر سکتی ہیں۔ کیونکہ تمام اضداد ظاہراً مخالف ہونے پر بھی اندر سے ایک ہوتے ہیں۔

احساسِ جہالت ہی حصولِ علم کے لئے اُکساتا ہے۔ گندگی ہی پھولوں کے لئے قیمتی کھاد ہو جاتی ہے۔ بیماریاں علمِ صحت کو جنم دیتی ہیں رگڑ کا دُکھ ہی ملاپ کی طرف جانے کے لئے مجبور کر دیتا ہے۔ بدصورتی کا ناگوار احساس ہی خوبصورتی کے ظہور کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ اشانتی ہی انسان کو شانتی کا سبق سکھاتی ہے۔ موت کا تصور ہی انسان کو امرت کی کھوج کے لئے بے قرار کرتا ہے۔ سنسار میں بیماری۔ پیری اور موت کے نظاروں نے ہی بُدھ کو نِروان پراپت کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔ بندھن کی پیڑا ہی

درشن کے قابل بنا کر غیریت کو مٹا دیتا ہے۔ اور تب شک اور خوف بالکل جاتے رہے ہیں۔ اور خواہش بھی اپنی محدودیت کھو کر عالمگیر محبت میں بدل جاتی ہے۔ اور خیال اور خواہش کی حدود مٹنے پر ہمارا کرم عین بھلائی ہو جاتا ہے۔ یہی جیون یوگ ہے۔ جس میں گیان۔ بھگتی اور کرم مل کر ایک اکھنڈ یوگ ہو جاتے ہیں۔ اور زندگی اپنا توازن۔ جمال اور کمال حاصل کرتی ہے۔ جیون یوگ ہی اس پرتھوی کو آنند دھام میں بدل سکتا ہے۔

جیون یوگی پرش کا آنند مے کوش سدا آنند سے بھرپور رہتا ہوا اسی جگت کو پرم سُندر روپ دیتا ہے۔ اس کا وگیان مے کوش آتم جیوتی سے جگمگاتا ہوا جڑ جگت کو دِگیان مورتی بناتا ہے۔ اس کا منو مے کوش بھی دُوئی کی مَیل سے صاف ہو کر جگت میں اپنے آپ کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔ اور اس کا پران مے کوش ساری موجودات میں ایک ہی جیون انوبھو کرتا ہوا سب کے ساتھ اپنے آپ کی مانند

چھٹکارہ نہیں، سپھلتا اور پورنتا ہے۔ قربِ ایزدی نہیں بلکہ خود خدا ہو کر جینا ہے۔ داستا نہیں سوراجیہ ہے۔ کسی غیر ہستی کی پرستش نہیں۔ بلکہ نغمۂ سرودِ ذات ہے۔ بے شعوری میں ڈوبنا نہیں۔

غیریت ہی ہمارے خیال کو محدود و مقید اور زندگی کو تلخ کرتی ہے۔ اور غیریت مٹانے کی خاطر ہی ہم دنیا سے خوراک لے کر اسے اپنا جزو بدن بناتے ہیں۔ اشیا پر قبضہ جماتے ہیں لوگوں کو تحت میں لاکر اپنے اوزار بنا لیتے ہیں بھگوان سے پرارتھنا اور اس کی پوجا اپاسنا اس لئے کرتے ہیں کہ وہ بھی ہماری اچھا پورتی کا وسیلہ بن جائے۔ سائنس کی کھوج بھی نیچر کو اپنے قابو میں لانے کے لئے کی جاتی ہے خیال کی محدودیت سے غیریت اور خواہش کی پیدائش ہوتی ہے۔ اگر سارا جگت ہی اپنے جسم کی مانند اپنا آپ محسوس ہو۔ تو خواہش کہاں اور کس کے لئے ہو گی؟ ہمارا ہونا اور جینا ہی عین سرور ہو جائے گا۔ جب ستیہ گیان ہمیں ایکتو

کی نظر میں سبھی مقامات مقدس۔ سبھی اوقات سعد اور سبھی واقعات بھلے اور با معنیٰ ہوتے ہیں۔

اور چونکہ وہ مکان اور زمان کی قیود سے اوپر اپنی ذات میں براجتا ہے۔ وہ اوپر یا نیچے لوکوں کا کوئی وہم نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی اسے پچھلے یا آنے والے جنموں کا خیال کبھی پریشان کرتا ہے۔ وہ جس نقطہ حال میں جیتا ہے۔ وہی اس کا ابدی گھر ہے۔ جس میں گذرتا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سدا ہے۔ اسے سبھی کچھ اب اور یہاں محسوس ہوتا ہے۔ وہ جسم اور اس کی موت کا ناظر ہو کر خود امر ہوتا ہوا۔ ذہنی نیند اور بے شعوری میں سدا جاگتا ہے۔ کیونکہ آتم جیوتی میں طلوع و غروب کو دخل نہیں ہے۔ اسے سبھی کچھ ہی سُندر اور پُورن دکھائی دیتا ہے۔

وہ تین گنوں سے مناسب کام لیتا ہوا ان سے اوپر چوتھی اٹھاری میں براجتا ہے۔ سردی گرمی۔ سُکھ دُکھ۔ ہانی لابھ۔ جیت ہار۔ ستتی نندا میں سم رہتا ہے۔ غیر حاصل کے حصول کا

پیار کرتا ہے۔ کسی سے راگ ودیش نہیں رکھتا
اور اِس کا اَنتہ کرن سے شریر بھی پرانی ماتر کی
بھلائی کا ایک اولیہ ینتر بن جاتا ہے۔
مُکت پرش سب میں اپنا آپ دیکھتا۔ سب
کے ساتھ اپنے آپ کی مانند برتاؤ کرتا ہے۔
وُہ ماضی کی روایات، حال کی قیود و رواجات
اور آئندہ آرزوؤں اور خدشوں سے آزاد ہو کر
اُس ابدی نقطہ حالی میں جیتا ہے۔ جس کے اندر
کُل ماضی و مستقبل موجُود ہے۔
وہ نہ کسی سے ڈرتا اور نہ کسی کو ڈراتا ہے
نہ کسی سے دبتا اور نہ کسی کو دباتا ہے۔ نہ کسی
پر حاکم ہوتا ہے اور نہ کسی کا محکوم۔ خود دُکھ سے
مُکت ہونے کے کارن وُہ کسی کو دُکھ دینا تو
دُور، سبھی کو سُکھ دیتا ہے۔ اِس کا دِل برتری
اور کمتری کے وہم سے آزاد ہوتا ہے۔ اس لئے
وُہ نہ تو غرورِ باطل کو جانتا ہے۔ اور نہ
ذِلت آمیز انکسار کو۔ کیونکہ وُہ سب میں آپ
اور آپ میں سب دیکھ پاتا ہے۔ اِس کی نظر
میں حقارت و نفرت کی میل نہیں ہوتی۔ اِس

(۱۴)

بھرم کا ناش

جو روشنی اندھکار کو دُور نہ کرے۔ وُہ روشنی کا دھوکہ ہی ہے۔ اِسی طرح جو گیان دویت بھرم کی جڑ نہیں کاٹ سکتا۔ اِسے ستیہ گیان نہیں کہہ سکتے۔

پہلے کہا جا چکا ہے۔ کہ ستیہ وہی ستتا ہے۔ جس کا نہ ہونا خیال میں نہ آسکے اور جس میں کِسی طرح سے بھی شک لانا محال ہو۔ کیونکہ جس تحقیق کے نہ ہونے کا خیال یا جس میں شک کیا جا سکتا ہے۔ وُہ ستیہ نہیں بلکہ ستیہ کا ایک عارضی ظہور ہے۔

ستیہ کی اِس کسوٹی پر اِس دُنیا کی کوئی شے یا واقعہ یا حالت ٹھیک نہیں اُترتے۔ کیونکہ اِن کا کبھی نہ ہونا بھی خیال کیا جا سکتا ہے ہاں ایک ستتا ایسی ہے۔ جو اِس کسوٹی

لالچ اور حاصل کے جاتے رہنے کا خدشہ نہیں رکھتا۔ اس کا من سدا شانت اور چہرہ سومیہ ہوتا ہے بیماری اور تعفن اس سے دُور بھاگتے ہیں۔ اور اس کا وجُود ہردم اور ہر حالت میں اپنے ہر طرف روشنی۔ محبت اور سرور پھیلایا کرتا ہے۔

وُہ خود بینا ہونے سے دُوسروں کی رہبری کرتا ہے۔ خود بیدار ہونے سے اوروں کو جہالت کی نیند سے جگاتا۔ خود آزاد ہونے سے خود کچھ نہیں اور سب کچھ ہوتا ہے۔

یہ زندہ نجات کرم یا بھکتی کا پھل نہیں ہُوا کرتی۔ یہ صرف ستیہ گیان دوارہ اپنے اندر سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ کہیں اور کِسی سے کبھی نہیں۔ اگرچہ دیپک دُوسرے دیپک کو جگا سکتا ہے۔ اور ایک اِنسان دُوسرے اِنسان سے مُستفیض ہو سکتا ہے۔ مگر گیان اور آنند کا سروت سب کے اندرُونی مرکز میں ہی پایا جا سکتا ہے۔

اور کسی حالت میں نشٹ نہیں ہو سکتا۔ آتما
پرمانوں کا پرمان اور جیوتیوں کی جیوتی۔ ستاؤں
کی ستتا اور ہر ایک نمود کی بود ہے۔ کیونکہ جو
کچھ بھی کبھی یا کہیں تجربہ میں آ سکتا ہے۔
وہ اپنے آپ سے ہی جانا۔ سوچا، سمجھا اور
ثابت کیا جا سکتا ہے۔

یہ سوال کہ آتما ایک ہے یا انیک۔ اگیان
یا دھندلے گیان میں ہی اٹھا کرتا ہے۔ کیونکہ آتما
تو درشٹا۔ گیاتا۔ ساکشی پرماتا ہے۔ درشیہ یا
پرمیہ نہیں ہے۔ اور چونکہ اعداد و شمار کی ذات
درشیہ میں ہی وجود رکھتی ہیں۔ کیونکہ وہ جانی
جاتی اور پرمیہ ہیں۔ اس لئے آتما کے سمبندھ
میں ایک یا انیک کا سوال پرلے درجے کی بےسمجھی
یا وچار شونیتا کا ثبوت ہے۔

اور اگیان اوستھا میں جسے ہم آتما سے بھی
پرے، اکشراتیت۔ پرشوتم گمان کرتے ہیں۔ وہ
ہمارا اپنا ہی پرجکشن یا کلپنا ہی ہوتا ہے۔ وہ
ہمارا پرکاشک ہونے کی بجائے ہم اس کے
پرکاشک ہوتے ہیں۔ بے شک پرشوتم اور اکشراتیت

پر اُترتی ہے۔ اَور وَہ ہے آتما (سب کا اصلی اپنا آپ)۔ جو خود بخود موجود اَور منوّر ہے۔ اور جس کا نہ ہونا خیال میں نہیں آ سکتا۔ اپنے آپ میں شک کرنا اِس لئے ناممکن ہے۔ کہ جب کبھی شک کیا جائے۔ تو شک کرنے والا (اپنا آپ) ہی تو موجود رہ کر شک کا ثبوت ہوگا۔ سارے سنسار میں آتما ہی ایک سوتہ سِدّھ۔ سویَم پرکاش۔ نِتیہ سَت ہے۔ جو دیکھتا ہے مگر دیکھا نہیں جاتا۔ جو سُنتا ہے مگر سنا نہیں جاتا۔ جو سوچتا ہے مگر سوچا نہیں جا سکتا۔ جو سب کی روشنی اَور بذاتِ خود رَوشنی ہے اور فقط اپنے آپ سے ہی آپ جانا جاتا ہے۔ وِشے رُوپ میں کبھی نہیں۔

جس طرح اپنے جسم سے بھاگنا یا اپنے کندھوں پر سوار ہونا ممکن نہیں۔ اِسی طرح اپنے آپ کے ہونے میں شک یا اپنے نہ ہونے کا خیال محال ہے۔ اور تمام چیزوں، حالتوں اوَر حادثوں کے کبھی یا کہیں نہ ہونے کا خیال کیا جا سکتا ہے۔ مگر اپنے آپ میں کبھی۔ کہیں

خوابِ محض، کلپنا ماتر یا سایوں کا کھیل کہتے چلے آئے ہیں۔ موجودہ سائنس بھی تسلیم کرنے لگا ہے۔ کہ یہ دُنیا جیسی کہ ہمیں محسُوس و معلوم ہوتی ہے۔ نہیں ہے۔ اِس کی رچنا میں ہمارے اپنے ذہن اور حواس کا ہاتھ ہے۔ البتہ کوئی ایسی طاقت یا حقیقت موجُود ہے۔ جو ہمارے حواس پر اثر ڈالتی ہُوئی اُنہیں یہ سنیما شو دکھاتی ہے آتم گیانی تو کہتے ہیں۔ یہ ٹھوس جگت بھی ہمارے روزمرہ کے خوابات کی مانند ہی کلپنا ماتر ہے۔ فرق ہے تو اِتنا ہی کہ نیند میں خوابات تھوڑے وقت کے لئے ہوتے ہیں۔ جبکہ یہ جگت بے آغاز و بے انجام طوالت رکھتا معلوم ہوتا ہے۔ مگر بہر حال جگت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اِس کے نہ ہونے کا بھی خیال اور اس کی واقعیت میں بھی شک کرنا ممکن ہے۔ اس لئے یہ جگت آتما (ہماری ذات) کے مقابلہ میں کوئی ستا نہیں رکھتا اور یہ کوئی ہم سے جُداگانہ بُود نہیں ہے اور جنہوں نے جاگ اور سمجھ کر اس جگت کو دیکھا اور سمجھا ہے۔ وہ تو اعلان

سکتا ہے۔ مگر وہ ہمارے اپنے آپ سے پرے یا الگ یا اوپر نہیں ہے۔ اور در اصل آتما کی اپنی سنگیا ہی ہے۔ ہم ہی تو اس کے تصور کو ثابت کرتے ہیں۔ آتما کے بنا کوئی کبھی ستا یا تحقیق یا گھٹنا یا اوستھا سوتہ سدّھ اور سوتہ پرکاش نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

اس مہتو پورن تتو اور اس گمبھیر سے گمبھیر رہسیہ کو صاف طور پر سمجھنے کے لئے ہم کہیں گے کہ عام طور پر ہمیں ان تین ستاؤں کا خیال آیا کرتا ہے۔ جو ہم سے بہت بہت بڑی معلوم ہوتی ہیں۔

(ا) لوک (دنیا)

(ب) پرلوک (عاقبت)

(ج) ایشور (خدا)

اور یہ بات صاف ظاہر ہے۔ کہ ان تینوں ہستیوں کے ہونے میں شک اور ان کے نہ ہونے کا بھی تصور کیا جا سکتا ہے۔

(ا) لوک۔ ہماری واقعی دنیا کے متعلق تو زمانۂ قدیم سے ہی اہلِ فلسفہ اور شعراء اسے

اجزا تو کم و بیش ہمہ گیر ہیں۔ یعنی ہم نے (ہمارے) اپنے وجود میں جن صفات کو قابلِ قدر پایا جاتا ہے انہیں ہی بے حد مبالغہ آمیز صورت دے دی گئی ہے۔ ایشور کا تصور دنیا کو پیارا ہے۔ کیونکہ یہ انسانی اقدار کے پھولوں کا ہی ایک منوہر گلدستہ ہے جس میں غیر شخصی مگر انسانی اقدار کو ہی شخصی صورت دے دی گئی ہے۔ اِس نظر سے ایشور ہماری ذات کا ہی عکس ہے۔ جو اہم معنی تو رکھتا ہے۔ مگر آتما کے مقابلہ میں اپنا جُداگانہ وجود نہ رکھتا ہے نہ رکھ سکتا ہے۔ جب یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔ تب اپنی اندرونی ذات میں تصور خدا کا راز پاکر خود بخود پر سرمد کے الفاظ میں "ترکِ مولا" بھی ہو جاتا ہے۔

اِس طرح وِچار دوارا دویت، بھرم مٹ جانے پر جوشیش رہتا ہے۔ وہ ستیہ اور ستیہ کا اپنا پرکاش ذات اور اِس کی تجلیات ہیں۔ تب جگت اور زندگی سے وِراگ کی بجائے انوراگ بڑھنے لگتا ہے بیزاری دِلچسپی میں بدل جاتی ہے۔ اور اِنسانی

کرتے ہیں۔

"مجھ میں ہی یہ سارا جگت نمودار ہو کر مجھ میں ہی قیام پذیر ہوتا ہوا مجھ میں ہی لے ہو جاتا ہے۔ درشٹی سرشٹی واد بھی "عالم درونِ دیدست" بتلاتا ہے۔

(ب) پرلوک۔ عاقبت کے متعلق مذاہب کے دیئے ہوئے نقشے باہم متناقض ہیں۔ ان کے بارہ ہر ایک مت دوسرے متوں کو جھٹلاتا ہے۔ اِسی زمین سے ہی مطلوب اور مرغوب چیزوں اور لذتوں کو چُن چُن کر ان کی آسمان پر خیالی سجاوٹ کر دی گئی ہے۔ عاقبت میں ہماری تجدید اور تخیل کے سوا کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اِس راز کو سمجھنے پر خود بخود ترکِ عاقبت ہو جاتا ہے

(ج) ایشور کے متعلق ایک مذہب کا بیان دوسرے سے نہیں مِلتا۔ اپنی اپنی کتب مقدسہ میں جو ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں۔ ایشور کا تصوّر اِنسان کی برترین ایجاد ہے۔ جو تخیل کے ذریعے اپنی تسلی اور سہارے کی خاطر کی گئی ہے۔ اور جس میں اقدار (سچائی۔ نیکی اور خوبصورتی) کے

اِنسانی دُنیا سے ہی لئے گئے ہیں۔
اِس قِسم کا سہ گانہ ترک نفی کو اثبات اور سایہ کو حقیقت بدل کر اندر باہر آتم درشن کراتا ہُوا جیون کو سرس بنا کر اور کچھُ پانے، کہیں جانے یا کچھ ہونے کی وِاسنا ختم کر دیتا ہے آتم درشن ہونے پر حقارت اور ناروداری کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ تمام عقایدٗ۔ قیاسات اور تصوّرات میں انتہائی اختلاف و تضاد کے باوجود وحدتِ مطلقہ دکھائی دیتی ہے۔ تمام روحانی مشاہدات اپنے تصوّرات کے مطابق ہُوا کرتے ہیں۔ اِس لئے اِن کے بارہ میں سچ جھوٹ اصل و نقل کے جھگڑے یا فیصلے فضول ہیں۔ یہ دُنیا ہمارا ہی مکان و زمان میں صفاتی پھیلاؤ یا سلسلہ ہے۔ اور عاقبت اِسی دُنیا کا عکس ہے اور خدا اِنسان کی ذاتی ایزدیت کو مُنعکس کرتا ہے دُنیا واقعی عاقبت خیالی۔ اور خدا ایک معیاری ہستی ہے۔
چونکہ واقعی دُنیا ہماری معیاری نظر کے لئے تسلی بخش نہیں ہے۔ اس لئے ہماری فِطرت اِن

زندگی کے لئے ایک یہی کار زندگی رہ جاتا ہے
کہ وُہ اپنے آپ کو انوبھو کرتا ہُوا اِس کائنات نئے
سے نیا، بڑھیا سے بڑھیا پرکاش کرتا چلا جائے
آتم انوبھوتی اور آتم پرکاش کے دو لفظوں کے اندر
اِنسانی زندگی کے معنی بند کئے جا سکتے ہیں۔ مگر
آتم پرکاش کبھی سمان نہیں ہوتا۔ ہر ایک فرد
میں یکتا اور لاثانی ہوتا ہے۔ وحدت۔ اختلاف
اور یکتائی تینوں ہی سوندریہ کے عناصر ہیں۔
ایشور کے تصوّر پر عاشق ہونا ایک قدرتی
بات ہے۔ کیونکہ وُہ اِنسانی اقدار کی ہی ایک
نہایت مُبالغہ آمیز صُورت ہے۔ دُنیا اور عاقبت
کی مانند ایشور میں شک یا اِس کے نہ ہونے کا
تصوّر بھی ممکن ہے۔ مگر اپنا یا کِسی چیز کا عکس
بے معنی نہیں ہوتا۔ اور نہ اِس کی موجودگی سے
انکار ہو سکتا ہے۔ مگر اِس کے متعلق وہم بہتی
بڑا دھوکہ ہے۔ عکس ہمیشہ معکوس کی چھایا یا
چمتکار ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ وُہ اِس کے روبرو اپنی
کوئی جُداگانہ ہستی نہیں رکھتا۔ ایشور کے متعلق
خالق و مالک۔ ناظم اور عدیل کے تصوّرات بھی

کہ وُہ ایشور کے تصوّر میں اپنی ہی ممکن اور مراجی صفات کی جھلک دیکھتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم اِس لئے وجود میں آئے ہیں۔ کہ اِس سنسار کو سوَرگ میں بدلتے ہوئے خود ہی ایشور ہو جائیں۔ تلاشِ حق میں درحقیقت اپنی ہی تلاش ہوتی ہے۔ بھگوت پوجا میں ہم اپنے ہی پُجاری ہوتے اور اپنا کیرتن کر کے خوش ہُوا کرتے ہیں اور کیسی پرکار کے دیو درشن میں ہم اپنا ہی درشن کر پاتے ہیں۔ کیسی غیر ہستی کا کبھی نہیں۔ خدا کی غیر محدودیت دراصل اِنسان کی اپنی ہی ممکن اور مراجی غیر محدودیت ہے۔

مختلف لوگوں اور دیشوں میں پرلوک اور ایشور کے تصوّرات کا مطالعہ صاف صاف دِکھلاتا ہے کہ وُہ ہر ایک قوم اور مُلک کی اپنی خصوصیات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ گرمی سے جُھلسے ہُوئے لوگ سوَرگ کو پرم شیتل نِشچے کرتے ہیں اور سردی سے ٹھٹھرتے ہُوئے لوگ سوَرگ میں ابدی دُھوپ کے تصوّر میں خوشی پاتے ہیں۔

دُنیا اور عاقبت، اِنسان اور خُدا ایک

ایجادات کے ذریعے اپنی ایک خواہش اور ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ اِس لحاظ سے یہ تصوّرات بے معنی اور فضول نہیں ہیں۔ بشرطیکہ یہ اوہام دوئی پیدا نہ کریں

اِنسان کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وُہ واقعیت (جو ہے) کے ساتھ ساتھ امکان یا معیار (جو ہو سکتا ہے یا ہونا چاہیئے) کو بھی دیکھ پاتا ہے۔ اگر وُہ صرف واقعیت کی ہی نظر رکھتا۔ تو وُہ بھی دُوسرے جانداروں کی مانند حال میں سنتشٹ رہ سکتا تھا۔ مگر اَب اس کی معراجی نظر اِسے چین نہیں لینے دیتی۔ اِس دُنیا کے متعلق معراجی تصوّر کا نام عاقبت اور خود اِنسان کی معراجی تصویر کا نام خدا ہے۔ عاقبت اور خدا اِنسان کے اپنے معراجی تصوّرات ہیں۔ اور وُہ دونوں کا خالق ہونے سے اور کسی کا مخلوق نہیں ہے۔

ہم کیوں سورگ میں بسنا چاہتے ہیں؟ اس لیئے کہ یہ دُنیا وَیسی نہیں ہے۔ جس کے ہو سکنے کا ہمیں خیال آتا ہے۔ اِنسان اِیشور کے ساتھ واصل ہونے کے لیئے کیوں ویاکل ہے؟ اِس لئے

ہے۔ جہاں سے وُہ اُٹھتا ہے۔ اگرچہ اِرد گرد کے
خیالات اِس کے حل کی طرف اِشارات دے سکتے
ہیں۔ اگر ہم اپنے دِل میں غوطہ لگا کر دیکھیں کہ
ہم خود ہی اپنے لیئے بے حد زِندگی، طاقت
علم۔ حُسن و جمال و خوشی چاہتے ہیں۔ مگر اپنے واقعی
وجُود میں اِن اقدار کو نہ پا کر الٰہ اِنہیں ایک بیرونی
صُورت دے کر اِن کی پرستش کرنے لگتے ہیں
ہماری اصلی خواہش خدا کو پانے کی بجائے خود
ہونے کی ہے۔ قلندر نے کیا ہی دلیرانہ
اعلانِ حق کیا ہے ؎

مقصودِ خود خودیم خدا در خودیٔ ماست
لعنت براں خدائے کہ جز من خدائے ماست

"ہم اپنا مقصود آپ ہیں۔ اور خدا ہماری خودی
(بود) میں ہی موجود ہے۔ لعنت ہے اُس (خیالی)
خدا پر جو کہ ہماری انا (میَں) کے سوا خدا ہے
اناالحق کا نعرہ زِندگی کی اِسی برترین سچائی کا
اعلان کرتا ہے۔

دُنیا ہے، عاقبت ہے، خُدا ہے۔ کیونکہ
ہم ہیں اور یہ تینوں ہمارے احساسات،

دُوسرے سے الگ حقائق نہیں ہیں۔ ہمارا تخیل اِسی دُنیا سے ہی تعمیرِ عاقبت کا مسالہ حاصل کرتا ہُوا اِنسانی صفات کو لے کر ہی ان سے اننت اَور پُورن بھگوان کی رچنا کر لیتا ہے۔

جب تک کہ ہم اپنے آپ میں پُوری طرح جاگ نہیں اُٹھتے۔ تب تک ہم پر ایک طرح کی نیند چھا کر ہمیں خوابات دکھایا ہی کرتی ہے۔ نیز خواب اَور بیداری میں ایک بڑا فرق یہ ہے۔ کہ خواب میں جو کچھ اپنے آپ باہر دکھائی دیتا ہے وہی بیدار ہونے پر اپنے اندر پایا جاتا ہے۔ عاقبت اَور خدا دونوں ہی اِسی قِسم کے خوابات ہیں۔ اَور جب تک ہم اپنی انسانیت میں جاگ نہیں پاتے۔ حقیقی اِنسانی عظمت اَور خوشی سے محروم رہتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ اِنسان خود ہی اوّل ہے اَور آخر، خود ہی ظاہر ہے اور باطن۔ جو کچھ بھی اور محسوس یا معلوم ہوتا ہے وہ اِس کی اپنی ہی ذہنی تخلیق و ایجاد یا وہم و ظن ہے۔

کِسی بھی سوال کا مکمل حل وہیں پایا جاتا

کہ لوگ اپنی اِنسانی شان و عظمت میں جا گنے
اور اِسے اپنی روزمرہ کی زندگی میں برقرار
رکھنے کی بجائے بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکے
جا کر بے دام غلام ہو رہے ہیں۔ اور
اِسے اپنے جیون کی سپھلتا گمان کرتے ہیں۔
اِس قسم کی مذہبی تحریکات میجک لینٹرن کی
مانند خود فراموشی کے اندھیرے میں ہی چمک
دمک رکھتی ہیں۔ اور انسانی بیداری اور اِس کے
مزید اور غیر محدود ارتقا میں سخت رکاوٹ ہو
رہی ہے۔

پس آتما (سب کا اپنا آپ) ہی اصلی اور
آخری حقیقت ہے۔ لوک پرلوک اور بھگوان
اِسی حقیقت کے عکوس ہیں۔ ہم اِن صورتوں
میں حقیقت کا ہی تجربہ تو حاصل کرتے ہیں۔ مگر
اِس تجربہ کے معنی نہیں۔ صرف تجربہ تو حیوانات
کو بھی ہُوا کرتا ہے۔ مگر معنی کو صِرف اِنسان
ہی جان سکتا ہے۔ اور صرف چشم معنی سے
ہی حقیقت کا دیدار ہو جاتا ہے۔ چشم صُورت
سے کبھی نہیں۔ چشم معنی کُھلتے ہی اِنسان

خیالات و معراجات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ عاقبت مرنے کے بعد اوڈ۔ آسمان میں ہونے کی بجائے اِسی دُنیا کا اپنا امکانی مستقبل ہے۔ اور ایشور بھی اِنسان سے برتر ہونے کی بجائے اِس کی اپنی ہی اتھاہ وِبھوتیوں کا ترقی پذیر عکس ہی ہے۔

آج کل دُنیا میں تجارت کا بازار گرم ہے اور مذہب کے نام پر بھی خوب سودا بازی ہو رہی ہے۔ اور مذاہب کے درمیان باہمی جدوجہد کا جنگلی قانون کام کر رہا ہے۔ چنانچہ مذہبی پیشواؤں نے ایک آرٹ ایجاد رکھا ہے۔ کہ عاقبت اور فرد کے متعلق بیداری میں کتھاؤں کے ذریعے اشارات دینے کے بعد حواس اور ذہن کے تعطّل پر روحانی مشاہدات کے خوابات پیدا کیئے جاتے ہیں۔ جنہیں بھولے بھالے لوگ پسیح تعقدۂ اور مالک کے دیدار تصور کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں۔ کہ اُنھوں نے عوالمِ علوی کی سیر کر پائی ہے اور درگاہِ ایزدی میں واقعی قبولیت حاصل کی ہے۔ نتیجہ یہ ہو رہا ہے

(۱۴)

مکمل زندگی کا حقیقی راز

زندگی کی صحت اور خوشی کا راز کُلیت اور توازن میں ہے۔ جس طرح ترانہ کئی سوُروں کے سامنجسیہ (ہم آہنگی) کا نام ہے۔ اِسی طرح زندگی کی خوبصورتی اور خوشی اُس کے مختلف قوٰے اور اعمال کے درمیان ہم آہنگی سے نمودار ہوتی ہے۔

مگر جہاں دُوسرے جاندار (نباتات اور حیوانات) سہج جیون رکھتے ہیں۔ اِنسانی زندگی ذِمہ داری کی زندگی ہے۔ وُہ ایک خود آگاہ اور آزاد ہستی ہے۔ جسے اپنے وجُود کی بُت تراشی اور اپنی قسمت کی تعمیر خود ہی کرنا ہوتی ہے وُہ کسی بھی برتر ہستی کا مقبُول یا مردُود نہیں ہے۔ اِسی لئے اُسے تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔ اپنی اِنسانیت کو سمجھنے اور سپھل

یہ دیکھ کر کہ وہ جو کچھ بھی پانا چاہتا ہے
وہ سارے کا سارا اُسی۔ یہاں اور اپنے
آپ میں ہی موجود ہے۔

یا منفی نہیں کیا جا سکتا۔

اِنسانی دُنیا میں سب سے بڑھ کر مضر تفرقہ جو وبا کی طرح پھیل رہا ہے۔ وُہ وجُود میں اعلےٰ اَور ادنےٰ کا تفرقہ ہَے۔ جس کی رُو سے اِنسانی وجُود کو اعلےٰ اور ادنےٰ اجزا میں بانٹ دیا گیا ہَے۔ جَیسے کہ:-

اعلےٰ اِنسان - - ادنےٰ اِنسان
عقل وضمیر - - شہوات
رُوح - - جسم
مقصد کے تابع - - مشین کی مانند
فوق الفطرۃ .. مٹی سے مٹی کی طرف
اندر سے ہی جانا جا سکتا ہے - باہر سے جانا جاتا ہے
بالائی رُخ رکھنے والا - نیچے کی طرف مائل

اِس تفرقہ نے زِندگی کو بیمار - تلخ اَور مکروہ بنا رکھا ہَے۔ پُرش اَور پرکرتی - چیتن اَور جڑھ کا بھید بھی اِسی قِسم کا تفرقہ ہَے - جس نے اِنسانی وجُود کی وحدت اَور اِس کی زِندگی کی صِحت اَور خوشی کو برباد کر دیا ہَے - اِس غلط تصوّر کے ماتحت ہم پرکرتی سے پُرش اَور جڑھ سے

کرنے کے لئے، کمانے یا دُوسروں کا مقابلہ کرنے کی خاطر نہیں اور اِس کی تعلیم تب ہی صحیح ہو سکتی ہے۔ جب کہ وُہ چوطرفہ ہو۔ جس کے ذریعے اِس کی ساری طاقتیں جسمانی۔ عقلی اخلاقی، فنی۔ وجدانی۔ پُوری اور متوازن نشو ونما پائیں۔ کیونکہ جب تک اِس کی نشو ونما میں کُلیت اور توازن نہ پائے جائیں۔ وہ صحیح معنوں میں اِنسان ہونے کی بجائے ایک عجیب اُلخلقت جانور ہی ہوتا ہے۔ جسے نہ تو خود چین حاصل ہوتا ہے اور جو نہ دُوسروں کو چین سے جینے دیتا ہے۔ ایسے ہی جانوروں نے ہمارے زمینی سوَرگ کو نرک بنا رکھا ہے۔ اِس لئے پُورن درشن اور سوستھ جیون اکٹھے رہ کر ساتھ ساتھ چلا کرتے ہیں۔ جیون کا سواستھیہ پانے اور قائم رکھنے کے لئے سب سے پہلے یہ بات دِل نشین کر لینی چاہیئے۔ کہ اِنسانی وجود میں جتنے بھی اعضا اور قوے ہیں۔ سب کے سب ہی تکمیل انسانیت کے لئے ضروری ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی نظرانداز

مگر یہ سراسر گمراہی ہے۔

اِنسانی شعور تین ناقابلِ جدائی پہلو رکھتا ہے۔ گیان، بھاو اور اِچھا۔ بھاو اور اِچھا رکھنے کی وجہ سے ہی اسے بھوگتا اور کرتا کہا جاتا ہے۔ یہ ایک مہلک بھول ہے۔ جو اِنسانی زندگی کی کلیت، وحدت، صحت، خوبصورتی، موافقت اور خوشی کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

جو شخص اِس بھیانک بھرم میں پھنس رہا ہے کہ وہ درشٹا ساکشی ہے اور نہ بھوگتا ہے اور نہ کرتا۔ وہ یقیناً روحانی طور سے بیمار ہے۔ اسے خوشی کے لئے بار بار کسی نہ کسی سادھن سے خود کو اُکسانے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ یا وہ زندگی کے اعمال کوئی حقیقی لذت و سرور نہ پاتا ہوا، سمادھی کی غار میں ڈوبنا چاہتا ہے۔ تاکہ ہم نہ تم۔ دفتر گم کا معاملہ ہو کر بندھن چھوٹ جائے اور اس کے سادھنوں، کا آخری نشانہ وکاس کی بجائے بے بیداری کی بجائے نیند یا مستی۔ ذمہ داری کی بجائے بے پرواہی۔ زندگی کی بجائے خود زندگی

چیتن کی طرف بھاگنے میں اپنی مُکتی اور سپھلتا مانا کرتے ہیں۔ دُوسری مُہلک غلطی جوہر اور عرض۔ وستو اور گُن، حقیقت اور ظہور کو ایک دُوسرے سے جُدا سمجھنا ہے۔ اِس قِسم کا وچھیّد ایک پرکار کا انگ چھید (DISSECTION) ہے۔ جو جیونت اور اکھنڈ ستیہ کی دیہہ میں کر دیا جاتا ہے۔ ذہن اور مادہ کو ایک دُوسرے سے الگ ماننا بھی ایسی ہی ایک بھول ہے۔

لیکن ایک اور بڑی خطرناک بھول یہ ہے کہ صدیوں سے ہندوستان میں خاص کر یہ پرچار ہوتا آیا ہے۔ کہ آتما (اپنا آپ) کیول درشٹا۔ ساکشی پرماتما ہے۔ بھوکتا اور کرتا نہیں۔ اِس بھول نے تو سپھل جیون کی جڑ ہی کاٹ ڈالی ہے۔ جا بجا یہی ابھیاس کرایا جا رہا ہے۔ کہ "میں کیول ساکشی درشٹا ہُوں۔ نہ کرتا ہُوں اور نہ بھوکتا۔ اور ایسی تباہ کُن تعلیم دینے والوں کو روائیتاً پرم ہنس اور برہم گیانی کی پدوی دے کر پُوجا جاتا ہے

جینے کو ہی بندھن اور نرک بنا ڈالتی ہے۔

اِس لئے ستیہ درشن میں صرف گیان ہی کافی نہیں ہے۔ اِس میں گیان کی مانند اگر اِس سے بڑھ کر نہیں تو، پریم اور کرم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ خلوت کے ساتھ جلوت نے سکون کے ساتھ حرکت۔ اختلاف کے ساتھ وحدت۔ تغیر کے ساتھ ثبات، بیداری کے ساتھ نیند اور ہستی کے ساتھ نیستی بھی مطلوب ہے۔ صرف روشنی کافی نہیں تاریکی کی بھی ضرورت ہے۔ پیدائش کے ساتھ موت کا۔ سکھ کے ساتھ دُکھ کا ہونا بھی لازمی ہے۔

اور یہی ایکتو درشن ستیہ درشن ہے۔ جو پُورن اور سوستھ جیون پردان کرتا ہے۔

سے ہی قطعی نجات ہوتا ہے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ اِس وچھید کو وویک، اِس شونیتا کو پورنتا اور اِس مستی کو بیداری کا نام دیا جاتا ہے۔

صحیح اور مسرور زندگی وُہی ہے یا ہو سکتی ہے۔ جس میں اِس کے تمام اجزا اور اعمال کا میل اور موافقت ہو۔ اور جس میں ہر ایک جُزو کو مناسب مقام دیا جائے اور زندہ حقیقت بھی وہی ہے۔ جو ہمہ پہلو ہو۔ جس میں سے کسی بھی پہلو۔ مادہ زندگی ذہن، روح کو نظرانداز یا منفی نہ کیا جائے۔ کیونکہ

حقیقت ایک ناقابلِ تقسیم کُل ہے۔

جس میں سبھی اشیا۔ حالات۔ واقعات۔ قوانین اور طاقتوں کا آپس میں اٹوٹ رشتہ ہے جیسے سنگت میں ذرا سی بےسُری بھی راگ کو راگ نہیں رہنے دیتی۔ اِسی طرح زندگی میں کسی بھی قوت یا عمل کی نظراندازی یا نفی زندگی کو بیمار کرتی ہوئی خود ہونے اور

نہیں ہے۔ سوئیم ممن ماتر ہے۔ وہ
سب میں سُنتا ہے۔ مگر کبھی سُنا نہیں جاتا۔ اشرتو شروتا
سب میں دیکھتا ہے۔ مگر کبھی دیکھا نہیں جاتا۔ اورشٹو درشٹا
سب میں سوچتا ہے۔ مگر کبھی سوچا نہیں جاتا۔ امتو منتا
سب میں جانتا ہے۔ مگر کبھی جانا نہیں جاتا۔ اوگیاتو۔ وگیاتا ہے
سنسار بھر میں آتم انوبھوتی سے بڑھ کر
کوئی آسان بات نہیں ہے۔ بھلا خود ہونے میں
کیا کٹھنائی ہو سکتی ہے؟ آتما ست رچت
آنند (ہمیشہ ہستی۔ روشنی اور سرور) ہے۔ وہ
سب میں بھرپور ہو رہا ہے۔ اور اس
سے کوئی خالی نہ ہے۔ اور نہ کبھی ہو سکتا
ہے۔ اگیانی پرش اپنے ہی خزانے پر سوتا
ہوا خود ہی اسے ڈھانکے ہوئے ہے۔ پرم
دھنی ہوتا ہوا بھی مہا کنگال ہو رہا ہے۔
آتما ہی درشٹا۔ انومنتا۔ بھرتا۔ بھوگتا
مہیشور۔ پرماتما اور پرم پرش ہے۔ (بھگوت گیتا)
ساکشات کار درکار ہے۔ تو اسے اپنے
آپ سے باہر ادھر ادھر یا آگے پیچھے مت
ڈھونڈو۔ اُٹھو جاگو۔ تم ہی تو ہو۔ مگر

آتم ساکشات کار

SELF REALISATION

آتما (اپنا آپ) ہی پرماتما ہے۔ آتما کے سوا یا اس سے پرے کچھ نہیں ہے۔ آتما سبھی کو پراپت اور سب سے بڑھ کر پرکٹ ہے۔ کیونکہ وُہی ہستی کی ہستی اور روشنی کی روشنی۔ پرمانوں کا پرمان اور سارے جہان کی جان ہے۔ یہ اسی کا اپنا سوبھاوک چمتکار ہے۔ پرتیک انوبھو میں آتما کا ہی انوبھو ہُوا کرتا ہے۔ آتم جیوتی سدا ہی جگمگا رہی ہے گہری نیند، بے ہوشی اور شونیت میں بھی۔ سوتے اور جاگتے وقت، اندر اور باہر آتم (برہم) درشن ہی ہو رہا ہے۔ اگر کوئی پردہ ہے۔ تو وُہ اپنی ہی جہالت یا غفلت ہے آتما کبھی چھپتا نہیں۔ چھپ سکتا نہیں۔ کیونکہ کوئی "اور" موجود نہیں ہے۔ آتما کوئی ایک ستا

تم اسے اپنے حواس یا خیال اور قیاس سے ڈھونڈنے میں اب تک اندھیرا پیٹتے چلے آتے ہو، تم ہو۔ تم ہی ہو۔ اور کوئی نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ تت تو ہے۔ جو چھوڑ کر اپنے آپ میں جاگو اور ایکتا پیدا کرو۔

---

(۱) ست ایک ہے (رگ) پنڈت اسے بہت پرکار سے بیان کرتے ہیں۔ (وید)

(۲) یقیناً ایک ہی موجود ہے۔ ایک ماتر (لاغیر) (اپنشد)

(۳) یہ سب ہی برہم ہے

(۴) میرے سوا کچھ موجود نہیں ہے۔ سب ہی مجھ میں مالا کے منکوں کی مانند پرویا ہوا ہے۔ (گیتا)

(۵) یہی آتما برہم ہے۔ (اپنشد)

(۶) انا الحق (میں ستیہ ہوں) (منصور)

(۷) وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے۔ (شمس تبریزی)

(۸) جاننے والے کی نظر میں سب کچھ ستیہ ہی ہے۔ (نانک)

(۹) خدا کے سوا جہاں میں اور کون موجود ہے تو کیوں بھینگا ہو کر دو دیکھ رہا ہے۔ (مولانائے رومی)

(۱۰) اپنا ناظر آپ اور خود ہی منظور ہے خود تماشا اور خود تماشا کار ہے (عطار)

(۱۱) ناظر اور منظور نور ہی نور ہیں۔ لیکن اندھے لوگ حضوری میں بھی حجاب میں ہیں۔ (بو علی قلندر)

(۱۲) میں وہی "میں ہوں" ہوں (بائیبل) (ختم شد)

سوئے پڑے ایک مت متانتر کے مِتھیا سوپن لے رہے ہو۔ سب کے بھیتر آتما ہے۔ اور سب کے باہر بھی آتما ہی جگت کا روپ دھارن کئے ہوئے ہے۔ اندر بھی ستیہ ہے اور باہر بھی ستیہ ہے۔ مِتھیا کچھ نہیں۔ کلپنا بھی اسی کی ایک شکتی ہے۔ آتما اننت شکتی ہے۔ گیان۔ پریم اور اِچھا اس کی اپنی اپار شکتیاں ہیں۔ جاگو اور دیکھو۔ کہ کون ہے تمہارے اندر جو کہتا ہے۔ "میں جسم ہوں یا نہیں ہوں؟ کون کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا مجھے کچھ پرتیت نہیں ہوتا، مجھے شک ہوتا ہے، ڈر لگتا ہے۔ نیدھن اور دُکھ ہوتا ہے۔ جو یہ سب کچھ کہتا ہے۔ اس کے ہونے میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔ اور وہ تم آپ ہی نتیہ۔ شُدھ بُدھ۔ مُکت ہو کیول اسی بھرم نے کہ آتما (پرماتما) مجھ سے الگ کوئی اور ستا ہے۔ تم کو اب تک پریشان کئے رکھا ہے اور

آستکتا - ایشور کے ہونے میں یقین رکھنے والا
اسیم - غیر محدود
استی - ہستی
اشیش - جس کا خاتمہ نہ ہو
آکاش - آسمان
اکشے - غیر فانی
اکشراتیت - غیر فانی سے بھی پرے
اکھٹ - ختم نہ ہونے والا
اکھنڈ - غیر منقسم
اگیان - جہالت
الپ - محدود
آلوچنا - نکتہ چینی
الیپ - بے لوث
امر - غیر فانی
امرت - آب حیات
امرت مے - عین آب حیات
امورت - مجرد
امرتتا - غیر فانی ذات

امولیہ ینتر - بے بہا اوزار
انادی - بے آغاز
اناتما - غیر ذات
اندرجالک - جادوگرانہ
انش - جزو
آنند - سرور
آنند دھام - عالم سرور
اندھکار - تاریکی
آنند سوروپ - عین سرور
آنند مے کوش - جذباتی غلاف
آن مے کوش - جسمانی غلاف
آنند مے کوش - جذباتی جسم
آنندت - مسرور
آنند دائیک - مسرت بخش
اننت - بے حد
انوبھو - کشف
انوبھوتی - کشف
انوراگ - محبت
انیک - ایک سے زیادہ

فرہنگ الفاظِ ہندی

الف

ابھید ستنا - غیر جداگانہ ہستی

اپر پرکرتی - ادنےٰ فطرت

اپار - بے حد

اُپدیش - ہدایت

اپر وکش گیان - براہِ راست علم

اپُورب - جو پہلے نہ ہُوا ہو

اُپنیاس - ناول

آپت کام - بامراد

اپیکشا - نسبت

آتما - ذات

اِتر - سوا

آتم پرکاش - خود اظہاری

آتم درشٹی - روحانی نظر

آتم جاگرتی - اپنے آپ میں جاگنا

آتم گیان - علمِ ذات

آتم وشواس - خود اعتمادی

اِتیت - پرے - گزشتہ

اچل ستتا - قائم ہستی

اِچھا - ارادہ

اداسینتا - بیزاری

اودّیت - لاثانی

اودّیت واد - مسئلہ وحدت وجُود

اودّیت وادی - قائلِ وحدتِ وجُود

ارتھ - معنی

آرمبھ - آغاز

اُروپ - بے صُورت

آستک - ایشور کے ہونے میں یقین رکھنے والا۔

استُتی - حمد و ثنا

پرمان - ثبوت۔
پرم آدرنیہ - انتہائی احترام کے لائق
پرم جیوتی - نورِ برتر
پریم - محبت
پریوگ - استعمال
پریہ - محبوب
پروکش گیان - بالواسطہ علم
پریورتن - تغیر
پورن - مکمل

ت

تاپ - اضطراب
تت توم اسی - وہ تو ہے
تتو - اصول، حقیقت
تتوگیانی - راز حقیقت
تحقیہ - امرِ واقعہ
تچھ - ناچیز
ترسکار - تحقیر - پرادر
ترشنا - ہوس
ترکالاباد ھ - تینوں زبانوں میں غیرفانی
ترنگ لیلا - امواج کا کھیل
تنک - ذراسا

ج

جڑ - بے شعور
جگت - کائنات
جنگم - متحرک
جنم مرن شیل - پیدا ہونے والا مرنے والا
جیو - انفرادی روح
جیوتی - روشنی
جیون آنند - سرورِ زندگی
جیون مکتی - زندہ نجات۔

چ

چیت - علم و شعور
چدانند - علم و سرور
چیرتارتھتا - سپھلتا

آنیکتا ۔ کثرت

انئیہ ۔ لاغیر

آدرن ۔

اہنکار ۔ انانیت

ایکم ستیہ ۔ حقیقت ایک ہے ۔

اہم برہم اسمی ۔ میں خدا ہوں ۔

ب

بدھی ۔ عقل

برہم ۔ ذات حقیقی

بدھاتا ۔ قسمت کا فیصلہ کرنیوالا

برکش ۔ درخت

بودھک گیان ۔ عقلی علم

بھوما ۔ بے حد

بھاو ۔ جذبہ ۔ بود

بھاتی ۔ بیدار

بھوت کال ۔ زمانہ گذشتہ

بھِن ۔ مختلف

پ

پرا پرکرتی ۔ اعلےٰ فطرت

پار مارتھک ۔ حقیقت سے تعلق رکھنے والا

پران ۔ قوت حیات

پران مے کوش ۔ غلاف حیات

پرا بھکتی ۔ برترین عبادت ۔

پرتیک ۔ علامت

پرش ۔ شخص

پرشوتم ۔ ذات برتر

پرکاش ۔ اُجیارا

پرکاشت ۔ منور

برہمانڈ ۔ نظام شمسی

پرکٹ ۔ ظاہر

پرکرتی ۔ فطرت

پرلوک ۔ عاقبت

پرلئے ۔ فنائے کلی

پرم آتما ۔ روح کل

پرم آنند ۔ سرور مطلق

سادھارن ۔ معمولی ۔ عام

سرب ۔ کُل

سرب درشیہ ۔ کُل نظارے

سروتر ۔ ہرجا

سرمتا ۔ بالذت ہونا

سرشٹی ۔ کائنات

سرشٹا ۔ خالق

سردم کھلودم برہم ۔ یہ سب برہم ہے

سردت ۔ چشمہ

سردگیہ ۔ عِلم کُل ۔ عُقدہ

سمسیا ۔ سوال

سمادھی ۔ مراقبہ

سمرتھ ۔ قابل

سمت وشو ۔ سارا جگت

سنتُشٹ ۔ قانع

سمراٹ ۔ شہنشاہ

سوبھاوک ۔ فطرتی

سو پرکاش ۔ منور بالذت

سوپن جگت ۔ عالمِ خواب

سوتہ سِدھ ۔ بذاتِ خود ثابت

سوُروپ ۔ فِطرت

سُوریہ ۔ آفتاب ۔ سوُرج

سوکشم ۔ لطیف

سوراٹ ۔ اپنے آپ پر قادر

سوندریہ ۔ جمال

سوئم جیوتی ۔ منور بالذات

سیم پدارتھ ۔ محدُود شئے

سوئم پرکاش ۔ بذاتِ خود منور

سہج آنند ۔ قدرتی سرور

سہج پرکاش ۔ قدرتی روشنی

ش

شانت ۔ سکون پذیر

شردھا ۔ عقیدت

شکتی ۔ طاقت

شکتیمان ۔ طاقتور

شوبھت ۔ سجا ہوا

شونیہ ۔ خالی

چمتکار ۔ تجلّی

چھِن بھِن ۔ ریزہ ریزہ

چیتن ۔ ذی شعور

د

دُربل ۔ کمزور

درشٹا ۔ ناظر

درشٹی ۔ نظر

درِشیہ ۔ منظور

دوند ۔ تضاد

دویہ لوک ۔ عالم نورانی

دھام ۔ عالم

دیش ۔ مُلک

دین ۔ [illegible]

دیش کال ۔ مکان و زمان

ر

راگ دویش ۔ اُلفت و نفرت

رچنا ۔ تخلیق

رس ۔ لذت

رسائن ۔ کیمیا

رُوپ ۔ صورت

روپانترت ۔ جس کی صورت بدل گئی ہو۔

س

ساہس ۔ جرأت

ساکشات ۔ عیاں

سپرش ۔ چھُونا

سپھل ۔ کامیاب

ست ۔ غیر فانی

ستیہ ۔ حقیقت ۔ سچائی

ستا ۔ ہستی

ست گورو ۔ مُرشدِ کامل

ستیہ درشی ۔ دیدارِ حقیقت

ستھاور ۔ ساکن

ستھول ۔ کثیف

سچدانند ۔ ہستی ۔ علم ۔ سُرور

مان ایمان - عزت بے عزتی

ماتو جنم - قالب انسانی

ملت - نتیجہ

مُکت - نجات یافتہ

مُکتی - نجات

مُکت جیون - بے قید حیات

ممتا - اُلفت

منو مے کوش - غلافِ ذہنی

نورتی - مٹ جانا - نہ رہنا

مَنش - انسان

موہ - اُلفت

مہما - عظمت

مُول - جڑ

مولیوں - اقدار

ن

ناستک - ایشور کی ہستی سے مُنکر

ناستکتا - ایشور کی ہستی سے انکار

ناشمان - فانی

نانا تو - انیکتا - کثرت

نیمت - نیم کے مطابق

نِتانت - بالکل

نِدھی - خزانہ

نراکار - بے شکل - بے صورت

نراشا - ناامیدی

نرپیکش - مطلق - غیر بے اضافت

نرتیہ - ناچ - رقص

نرگن - لاصفات

نرودکار - لاتغیّر

نرنتر - دائمی

نرک - دوزخ

نشوَر - فانی

نِکٹ - نزدیک

نِندا - غیبت

نیَم - قاعدہ - قانون

نوی کرن - تجدید

شونیتا - خلاء - اُجاڑ

شونیہ واد - یہ مسئلہ کہ کچھ بھی نہیں ہے

ک

کارن - علت - سبب

کال - زمانہ

کالپنک - قیاسی - خیالی

کرانتی - انقلاب

کرت کرتیہ - کامیاب

کریا - عمل

کرم پھل - عمل کا نتیجہ

کلپنا - تخیل

کلیش - اضطراب

کلاکار - آرٹسٹ

کشنک - لمحاتی

کوش - غلاف

کوی - شاعر

کیرتن - حمد سرائی

کیول - محض

کشن - لمحہ

گ

گُن - صفت

گتی - انجام - حرکت

گرنتھی - گانٹھ

گلانی - حقارت

گیان - علم

گیان مولک - علم پر مبنی

گیان بھنڈار - خزانۂ علم

گیاتا - جاننے والا

گیہ - معلوم

ل

لابھ - یافت - فائدہ

لے - محویت

م

مارگ - راستہ

اصلاح اغلاط

صفحہ	غلط	صحیح	سطر
۱۲	سائنٹیفک	سائنٹیفک	۱
۱۴	طا	یا	۱۲
۱۶	مبانے	سمانے	۱۱
۲۰	ے	ہے	۸
[illegible]	امتیا	امتیاز	۱۰
۲۲	سے	ہے	۱
۲۹	حسانات	منازات	۵
۳۲	پڑیں	پڑتے	۵
۴۷	خیال	حالی	۱۰
۵۲	منور برقی	منوبرقی	۱۰
۵۳	برہم جیتن	برہم چشتن	۱۸
۷۸	انت	انتشت	۱۲
۸۴	تمدرستی	تندرستی	۱۲
۸۹	نق	حق	۲
۸۹	مانا	مانتا ہوا	۴
۱۰۰	زنرم	ترنم	۳
۱۱۷	بوجھنے	پوچھنے	۱
۱۲۰	کرجبکہ	جبکہ	۵
۱۲۶	جکتا	اجھوکتا	۵
۱۴۳	و	اور	۱۲
۱۴۷	ہم نے	ہمارے	۱
۱۵۳	(حیالی)	خیالی	۱۴
۱۵۹	...	ہم	۱۹
۱۶۱	معاملہ جان	معاملہ ہو	۱۴
۱۶۲	سادہ	مادہ	۱۰
۱۶۴	کوئی موجود	کوئی اور موجود	۱۹
۱۶۵	من مانتر	سن مانتر	۱
۱۸۲	بھیگا	بھینگا	۱۶

و

واستو ۔ غلامی

وچار شونیہ ۔ بے خیال

وچیترتا ۔ اختلاف

وشے ۔ موضوع

وشو روپ ۔ سارے جہاں کی صورت میں۔

وشو کلیان ۔ سب کی بھلائی

وشرام ۔ قیام

وشو ویاپی ۔ محیط کل

وش ۔ زہر

وکاری ۔ تغیر پذیر

وکرت ۔ متغیر

وکاش ۔ ارتقا

وکرن ۔ اشاعت

وکست ۔ ارتقا یافتہ

وگیان ۔ سائینس

وشو جیون ۔ حیاتِ کائنات

وشو آتما ۔ روحِ کُل

وگیان مے کوش ۔ غلاف عقلیت

ویدانت ۔ مسئلہ وحدت وجود

ویاپک ۔ محیط

ویراگ ۔ بیزاری

وویک ۔ امتیازِ حق و باطل

ونچت ۔ محروم

ہ

ہرنیہ گربھ ۔ ذہنِ کُل

ی

یاچنا ۔ التجا

یتھارتھ ۔ ٹھیک ۔ اصلی

یتھا سمبھو ۔ حتے الامکان

(ہند سماچار پرنٹنگ پریس جالندھر میں چھپی)